فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا (القرآن الحکیم)

اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث پر
بعض اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

از

حافظ صلاح الدین یوسف

ایڈیٹر ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

ناشر

ادارہ "الاعتصام" شیش محل روڈ لاہور

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ (القرآن الحکیم)

اہلِ حدیث اور اہلِ تقلید

اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث پر
بعض اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

از

حافظ صلاح الدین یوسف

ایڈیٹر ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

ناشر

ادارہ "الاعتصام" شیش محل روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیر

عزیز مکرم حافظ صلاح الدین یوسف کا یہ زیر نظر مقالہ ایک ہنگامی ضرورت کے تحت آج سے دو سال قبل "الاعتصام" میں مسلسل (۱۱ اگست ۱۹۷۲ء تا ۸ فروری ۱۹۷۲ء) ۱۶ قسطوں میں شائع ہوا تھا، جو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تھا انہیں دنوں سے بہت سے احباب، بعض اہل علم اور بزرگ تقاضا کر رہے تھے کہ اسے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ الحمد للہ آج ان کی خواہش کی تکمیل کا سر و سامان ہو گیا ہے اور ادارہ "الاعتصام" اسے معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔

یہ مقالہ دیکھنے کو تو ایک تنقیدی اور مختصر سی چیز ہے لیکن اس تنقید کے ضمن میں اہلحدیث اور اہل تقلید کے نقطۂ نظر کے مابین فرق کی خوب توضیح ہو گئی ہے اور جماعت اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث پر بے سروپا الزامات کی حقیقت بھی بیّن و آشکارا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔ اس طرح یہ کتابچہ انشاء اللہ بقامت کہتر و بقیمت بہتر کا مصداق ثابت ہو گا۔

مضمون کی تنگ دامانی کے پیش نظر کئی اہم چیزیں تشنۂ تکمیل رہ گئیں خیال تھا کہ ایسے کئی اہم مباحث کا اضافہ کر دیا جاتا لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر یہ بھی ممکن نہ ہو سکا پھر کبھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور حالات و وقت نے مساعدت کی تو اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جائے گا فی الحال اسے یوں ہی شائع کیا جا رہا ہے کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

آج کل کا جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ان مسائل کی اہمیت سے بالعموم بے خبر ہے اسی طرح نوجوان علماء اور طلبائے مدارس دینیہ بھی سیاسی ہنگاموں میں ان مباحث سے ناآشنائے محض ہوتے جا رہے ہیں۔

اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اہلحدیث کے نقطۂ نظر اور ان کے امتیازی مسائل پر مشتمل مدلل و متین کتابچے وسیع پیمانے پر شائع کیے جائیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی سعی بلیغ کی جائے۔ ادارہ "الاعتصام" نے اسی ضرورت کے پیش نظر یہ سلسلہ شروع کیا ہے اور بحمد اللہ مطبوعات "الاعتصام" کا زیر اشاعت کتابچہ چھٹا نمبر ہے۔

جو بزرگ اور مخلص دوست ان تبلیغی مساعی میں ادارہ کا ہاتھ بٹا رہے ہیں ان میں چوہدری محمد صدیق صاحب ناظم اعلیٰ جامع اہلحدیث مصطفےٰ آباد، میاں عبد المعید صاحب اور چوہدری محمد صادق صاحب ایڈوکیٹ کو سر فہرست لکھنا چاہیے جنہوں نے ادارے کو گرانقدر عطیوں سے نوازا، ادارہ ان سب کا ممنون اور ان کے حق میں دعا گو ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

خاکسار: محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی عفا اللہ عنہ۔ لاہور

(۲۴ صفر ۱۳۹۲ھ / ۲۶ فروری ۱۹۷۲ء)

ماہنامہ "تعلیم القرآن" راولپنڈی، جو مولانا غلام اللہ صاحب کی زیر نگرانی شائع ہوتا ہے، اس کے اپریل ۱۹۷۳ء کے شمارے میں ایک کتاب "اختلافِ امت کا المیہ۔ المعروف بہ حقیقتِ مذہبِ شیعہ" پر تبصرہ نظر سے گزرا، یہ تبصرہ رسالے کے مدیر مولانا محمد مہر صاحب میانوالی کے قلم سے ہے۔ کتاب مذکور کے مؤلف پہلے حنفی اور نہ معلوم اور کیا کیا کچھ تھے، تقسیم ملک کے بعد وہ مسلک اہلحدیث سے متعارف ہوئے اور تمام تجربات کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ صحیح مسلک صرف قرآن و حدیث ہی کی پیروی ہے۔ یہ تفصیل خود مؤلف کتاب نے "اختلافِ امت کا المیہ" حصہ اول میں درج کی ہے۔ گویا مؤلف نئے اہلحدیث ہیں جو تقلید کی جکڑبندیوں سے نکل کر اب قرآن و حدیث کی صاف اور کھلی فضا میں آئے ہیں اور ظاہر ہے کہ نئے لوگوں میں نئے مسلک کے لیے جوش اور ولولہ اور پرانے مسلک سے نفرت و حقارت کا جذبہ شدید تر ہوتا ہے تبصرے پر اپنی معروضات سے پہلے یہ صراحت اس لیے ضروری تھی کہ فاضل تبصرہ نگار نے مؤلف کتاب کی ذہنی سرگزشت کو نظر انداز کر کے ان کے قلم کی بعض بے اعتدالیوں کو بنیاد بنا کر جماعت اہلحدیث اور مسلکِ اہلحدیث کے متعلق کچھ ایسی باتیں کہی ہیں جو سطحی بھی ہیں، پیش پا افتادہ بھی اور حقائق و واقعات سے دور بھی۔

ہمارا خیال تھا کہ مؤلف، جن کی کتاب کے تبصرے کے ضمن میں مدیر موصوف نے مؤلف موصوف کے ساتھ جماعت اہلحدیث پر بھی خاص کرم فرمائی کی ہے، وہ اس تبصرے پر نقد و نظر فرمائیں گے کیونکہ انہی کو مخاطب کر کے سب باتیں کہی گئی ہیں، اس لیے ان مباحث کی وضاحت

جو تبصرہ نگار نے چھیڑے ہیں، ان ہی کی ذمہ داری تھی لیکن تاحال مؤلف کی طرف سے ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ بنابریں نقد و نظر کا یہ ناخوشگوار فریضہ ہمیں سرانجام دینا پڑ رہا ہے۔ اگر فاضل تبصرہ نگار کی تنقید صرف مؤلف کتاب کی ذات تک محدود رہتی تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا لیکن افسوس ان کی تنقید اس سے تجاوز کر کے بہت سی حقیقتوں کا خون کر گئی ہے کئی چیزیں مسخ اور کئی مباحث پر غلط تاویلات کے حسین غلاف چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مدیر موصوف نے سب سے پہلے جماعت اہلحدیث کی خدمتِ قرآن و حدیث کی بحیثیتِ مجموعی تحسین کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:۔

"مؤلف فرقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں بعض کچھ غیر ذمہ دار متعصب لوگوں سے قطع نظر بحیثیت مجموعی اس جماعت کی قرآن و سنّت کی خدمت کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اُسے اہلِ سنّت کا فرقہ سمجھتا ہوں۔ میرے خیال میں چند فروعی مسائل میں نزاع اور فتویٰ بازی یا ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا بہت بڑی غلطی ہے اور اہلِ سُنّت کو اس سے نقصان پہنچتا ہے اور مخالفین کو مدد ملتی ہے۔"

اهلحدیث "فرقہ" نہیں اوّلاً جماعت اہلحدیث کو معروف معنی میں "فرقہ" کہنا غلط ہے "فرقہ" کسی ایک ہی شخصیت کو مرکزِ عقیدت و محورِ اطاعت سمجھنے والے گروہ کو تو کہا جا سکتا ہے لیکن اُن افراد کے مجموعے پر اس کا اطلاق صحیح نہیں جو تمام عقیدتوں سے کٹ کر عقیدتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسلک اور انہی کی ذات کو اطاعت کا تمام تر مستحق سمجھتے ہیں۔ ان کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد خالصتہً قرآن و حدیث ہے جس میں مرکز و محور صرف ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی اطاعت کو اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت اور ان کی معصیت کو اپنی معصیت قرار دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ جماعت

ایک نظریہ اور عقیدہ ہے جو تمام مسلمانوں کو اس بُعد اور بیگانگی کو دور کرنے کی دعوت دیتی ہے جو شخصی عقیدتوں اور شخصی افکار و آراء نے ان میں پیدا کر دیا ہے اور انہیں اپنے اصل یعنی قرآن و حدیث کی طرف لوٹانے کی داعی ہے اس لیے اسے "فرقہ" کہنا بنیادی طور پر خلافِ واقعہ ہے۔

ثانیاً:۔ جماعت کی خدمتِ قرآن و حدیث کی تحسین کا شکریہ۔ لیکن اس پر اظہارِ تعجب کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ اس تحسین کے باوجود مدیر موصوف نے اسی غلط بیانی اور جارحیت کا ارتکاب کیا ہے جو بالعموم جماعت اہلحدیث سے بغض و عناد رکھنے والوں کا شیوہ ہے۔ ممکن ہے مدیر موصوف یہ تاثر دیں کہ انہوں نے غیر جانبداری سے کام لیا ہے لیکن ہماری تنقید سے واضح ہو جائے گا کہ یہ تاثر صحیح نہیں، موصوف نے جماعت پر جانبدارانہ بلکہ متعصبانہ نقطۂ نظر سے الزام تراشی کی ہے۔ اس لیے تنقید کے ساتھ اس تحسین کا اور مثالب کے ساتھ ان مناقب کا بظاہر کوئی جوڑ نظر نہیں آتا۔

۳۔ جہاں تک اس جذبہ و احساس کا تعلق ہے کہ آپس میں فتویٰ بازی اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے سے اہلِ سنت ہی کا نقصان ہوتا ہے اور مخالفین کو مدد ملتی ہے۔ ہمیں اس سے پورا اتفاق ہے لیکن محترم موصوف سے ہم مؤدبانہ استفسار کریں گے کہ انہوں نے اس جذبہ و احساس کا کس حد تک ثبوت بہم پہنچایا ہے؟ کیا اہلحدیث جماعت اور مسلک پر ان کی نا روا تنقید اس ذیل میں نہیں آتی؟ اگر انہیں اس بات کا واقعی احساس ہوتا تو کیا وہ جناب حکیم فیض عالم صدیقی صاحب کی شخصی بے اعتدالیوں کو بنیاد بنا کر پوری جماعت اور مسلک کو مطعون کرتے؟ انہیں اگر مؤلفِ کتاب کے بعض فقرات سے تکلیف پہنچی ہے تو یہ کونسا صحیح طریقہ ہے کہ ان کے بجائے پوری جماعت کے خلاف فردِ جرم کھول کر بیٹھ جائیں؟ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دہائی بھی دیتے جائیں کہ اس سے اہلِ سُنّت ہی کو نقصان پہنچے گا۔

اس کے بعد مدیر موصوف مؤلفِ کتاب کی غیر ذمہ داری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مثلاً ص ۲۳ پر ہے "مگر اس بھری دنیا میں سوائے جماعت اہلحدیث کے ہر فرقے کے افکار و نظریات شرک و بدعت کی دیومالائی داستانوں سے پُر ہیں۔" میں وہ جگہ جگہ اتہامات اور مکروہ عبارات نقل کرکے قارئین کو پریشان نہیں کرنا چاہتا اور نہ جماعت اہلحدیث کو کچھ کہتا ہوں البتہ الدین النصیحۃ کے طور پر مؤلف صاحب کی خدمت میں چند اصولی باتیں کہنا چاہتا ہوں۔"

اس عبارت میں فاضل مدیر نے یہ تاثر دیا ہے کہ میرے مخاطب صرف مؤلف کتاب ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا (اور کاش ایسا ہی ہوتا) تو ہمیں اس پر خامہ فرسائی کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیونکہ مؤلف کے غیر معتدل اندازِ بیان کی تحسین مشکل ہے اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کا شمار جماعت اہلحدیث کے علماء میں نہیں ہوتا نہ معروف معنوں میں وہ عالمِ دین ہی ہیں جیسا کہ مدیر موصوف نے بھی ان کی کتاب پڑھ کر اس امر کا اندازہ فرمالیا ہے اور تبصرے میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس لیے ان کی وکالت ہمارے لیے ضروری نہیں لیکن چونکہ مدیر موصوف کی تنقید کی زد میں مؤلف اور ان کے اقوال کم اور جماعت اہلحدیث اور مسلکِ اہلحدیث زیادہ آیا ہے اس لیے ہمیں وضاحت پیش کرنے کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ جہاں تک مؤلفِ کتاب کی اس رائے کا تعلق ہے کہ :-

"سوائے جماعت اہلحدیث کے ہر فرقے کے افکار و نظریات شرک و بدعت کی دیومالائی داستانوں سے پُر ہیں۔"

تو واقعہ یہ ہے کہ اس کو جھٹلانا بہت مشکل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس حقیقت کا اظہار بطور فخر اور تعلّی کے نہیں ہے بلکہ سخت افسوس کے طور پر ہے۔ یہ دیکھ کر ہمیں بڑا دکھ اور افسوس ہوتا ہے کہ شرک و بدعت کے معاملے میں دیوبندی احناف کا مسلک بھی اتنا صاف نہیں ہے جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں (اگر تبصرہ نگار کی خواہش ہوئی تو ہم پھر کسی موقع پر وہ تفصیل بھی پیش کردیں گے) تاہم ایک دو اقتباس اس وقت پیش کردینے نامناسب

نہ ہوں گے۔ دیوبندی کے ایک فاضل اور معروف عالم دین مولانا عامر صاحب عثمانی دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھتے ہیں۔

"جس دیوبند کو وہ (یعنی اہل بدعت۔ ناقل) صبح و شام بطور وظیفہ گالیاں دیا کرتے ہیں، وہاں ان کی تقدیر سے اب بت شکنوں کی بجائے اُن بُت گردں کی چھاؤنی چھائی ہوئی ہے جو مصلحت اور رواداری کے نام پر بلا تکلف شرک و اسلام میں مفاہمت اور سودے بازی کی پالیسی پسند فرماتے ہیں اور جن کے یہاں متعدد بدعتیں قدسے مختلف لباس پہن کر فروغ پا رہی ہیں کسی کا جی چاہے تو یہاں آکر دیکھے۔ قبوری تصوف اور ماورائی اسلام کی کافی جھلکیاں دیکھنے کو مل جائیں گی۔" (ماہنامہ "تجلی" دیوبند، بابت ماہ اپریل، مئی ۱۹۷۰ء ص ۲۷)

اسی رسالے میں ایک اور صاحب حضرت حسینؓ و یزیدؒ کی بحث کے سلسلے میں ارباب دیوبند کے عقائد میں رفض و تشیع کی آمیزش کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔ ؏

"چوں رفض از دیوبند برخیزد کجا ماند مسلمانی"

("تجلی" جولائی ۱۹۷۰ء ص ۲۳)

اسی طرح مفتی دارالعلوم دیوبند کے اس بدعی بلکہ مفضی الی الشرک عقیدے کے اظہار پر کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا" عامر صاحب نے دیوبند اور علمائے دیوبند کے متعلق ایک عینی گواہ کی حیثیت سے جون ۱۹۷۰ء کے آغازِ سخن میں جو کچھ لکھا ہے اُسے ملاحظہ فرما لیا جائے ہمارا اسے نقل کرنا شاید آپ کو بہت گراں گزرے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شرک و بدعت کے معاملے میں علمائے دیوبند کا بھی جب یہ حال ہے تو اہلحدیث کو چھوڑ کر دوسرے فرقوں کا کیا حال ہوگا؟

پہلا الزام۔ اہلحدیث اور شیعہ میں ہم آہنگی! | دیوبندی تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

"مؤلف کے نزدیک صحیح دین صرف ڈیڑھ صدی تک رہا۔ پھر تقلید نے بدعت

کی زد میں آگیا اور فرقہ اہل حدیث ناجی ہے، گذارش ہے کہ شیعوں کے نزدیک اسلام صرف وفاتِ نبوی تک رہا۔ پھر سب صحابہؓ (چار کے سوا) مرتد ہو گئے، دونوں باتوں میں کیا فرق رہا؟ شیعوں کے نزدیک اکثریتِ امت از عہدِ صحابہ تا ہنوز گمراہ ہے اور مؤلف کے نزدیک بھی صحابہؓ و تابعینؒ کے سوا اکثریت گمراہ ہے۔"

یہاں محترم تبصرہ نگار نے اہلحدیث کے نقطۂ نظر کو شیعی نقطۂ نظر سے ملانے کی ناکام کوشش کی ہے جو ہے بھی سراسر ناانصافی اور واقعہ کے خلاف۔ اہلحدیث نقطۂ نظر اور شیعی عقیدے میں بڑا فرق ہے شیعہ تو وفاتِ نبوی ﷺ کے فوراً بعد ہی اسلام و ایمان کے خاتمہ (یعنی چند کے سوا) سب صحابہ کرامؓ کے (معاذاللہ) ارتداد کے قائل ہیں۔ جبکہ اہلحدیث کے نزدیک یہ نظریہ سراسر گمراہی ہے۔

رہی دوسری بات تو جناب عالی! ہم اس بات کے قائل تو نہیں ہیں کہ لوگ ایمان و اسلام سے منحرف ہو گئے یا دین تقلید و بدعت کی زد میں آ گیا۔ ہاں اس تاریخی حقیقت کا انکار ان کے لیے بہت مشکل ہے کہ عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے بعد تقلید و بدعت کا آغاز ہو گیا، جس میں مرورِ ایام کے ساتھ اضافہ ہی ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ اہل اسلام کی اکثریت رفتہ رفتہ تقلید و بدعت کی زد میں آ گئی۔ اندریں صورت اگر کئی صدیوں کے بعد اکثریت کی گمراہی کا اعتقاد تبصرہ نگار کے نزدیک بالکل شیعوں والا اندازِ فکر ہے تو ہم محترم تبصرہ نگار سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کے نزدیک آج اہل اسلام کی اکثریت اعتقادی و عملی گمراہی میں مبتلا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ علمائے دیوبند کے نزدیک شیعوں کے علاوہ بریلوی حنفی بھی گمراہ ہیں جن کی سب سے زیادہ اکثریت ہے پھر دیوبندی حنفیوں میں ایک اچھا خاصا طبقہ "مودودی حنفی" ہے اور یہ بھی آپ کے نزدیک گمراہ ہے اور اہلحدیث تو یقیناً آپ کے نزدیک گمراہ ہیں۔ اب تبلایئے جس مسلک کو آپ صحیح سمجھتے ہیں، اکثریت اُن کی ہے یا اُن کی جن کو آپ گمراہ سمجھتے ہیں؟ کیا اس طرح آپ پر بھی شیعوں والے اندازِ فکر کا وہ الزام عائد نہیں ہوتا جو آپ نے اہلحدیث پر لگایا ہے! ماهو جوابکم فهو جوابنا۔

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی ہوتا ہے جو خراب وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

محترم! کیا ایمان و اسلام کی نفی اور تقلید و بدعت کی گمراہی میں مبتلا ہونا دونوں متلازم ہیں؟ شیعہ تو عہد نبویؐ کے معًا بعد عام ارتداد کے قائل ہیں۔ اور ہم (اگر آپ کا تجزیہ صحیح مان لیا جائے) تو کئی صدیوں کے بعد کی اکثریت کی گمراہی کے قائل ہیں جس میں بالآخر آپ خود بھی ہمارے ہمنوا ہو جاتے ہیں جو ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی صاحب بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔

تقلید و بدعت کا آغاز

اس مقام پر علماء کی چند تصریحات بھی ملاحظہ فرمایئے تاکہ تقلید اور دیگر بدعات کے آغاز کا بھی صحیح علم آپ کو ہو جائے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

"اس بات پہ اتفاق ہے کہ تبع تابعین کا دور ۲۲۰ھ پر ختم ہو گیا اور اسی وقت سے بدعات کے ظہور کی تیزی سے ابتداء ہو گئی۔ (وفی ھذا الوقت ظھرت البدع ظھورا فاشیا) معتزلہ نے اپنی زبانوں کو چھوٹ دے دی، فلاسفہ نے سر اٹھایا، اہل علم کو آزمائشوں میں ڈالا گیا تاکہ وہ خلق قرآن کا اقرار کریں اور حالات سخت متغیر ہو گئے اور یہ معاملہ اب تک روز بروز زوال پذیر ہے۔ وتغیرت الاحوال تغیرا شدیدا ولم یزل الامر فی نقص الی الآن۔" (فتح الباری، باب فضائل اصحاب النبیؐ)

حافظ ذہبیؒ تیسری صدی ہجری کے حفاظ حدیث اور ائمۂ دین کے طبقۂ تاسعہ کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"اس زمانے اور اس کے قریبی دور میں ائمہ حدیث بڑی تعداد میں تھے۔ جن کا دسواں حصہ بھی ہم نے بیان نہیں کیا۔ اور اسی طرح اس وقت میں اہل الرائے والفروع (فقہاء حنفیہ) کی ایک جماعت، کتنے ہی سرداران معتزلہ

اور شیعہ اور اصحابِ کلام موجود تھے جو معقول کے پیچھے دوڑے اور سلف کا جو طریقہ احادیثِ نبویہ کے ساتھ تمسک کا تھا، اسے چھوڑ دیا اور اس وقت سے فقہاء میں تقلید ظاہر ہوئی اور اجتہاد کم ہونے لگا۔" مشوا وراء المعقول واعرضوا عما علیہ السلف من التمسك بالآثار النبویة صلی اللہ علیہ وسلم وظھر فی الفقھاء التقلید وتناقص الاجتھاد، فسبحان من له الخلق والامر تذکرة الحفاظ ج ۲ ص ۶۲۸،۶۲۷، الطبقة التاسعة)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی ہجری کے بعد مذہب تقلید شروع ہوا۔ اور سنیئے! علامہ سندبن عنان مالکی لکھتے ہیں۔

"تقلید فی نفسہ ایک بدعت ہے جو بعد کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ ہمیں یہ قطعی علم ہے کہ صحابہؓ کے زمانے میں کسی خاص شخص کے نام کا مذہب تھا جس کو پڑھا پڑھایا جاتا ہو اور اس کی تقلید کی جاتی ہو، بلکہ وہ لوگ پیش آمدہ واقعات میں قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور اس سے کچھ نہ ملنے کی صورت میں اپنی نظر و بصیرت سے کام لیتے تھے، اسی طرح تابعین بھی پہلے قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور دوسری صورت میں اجماعِ صحابہ کو دیکھتے، اگر اجماعِ صحابہ بھی نہ ملتا تو خود اجتہاد کرتے اور بعض کسی صحابی کے قول کو قوی سمجھ کر اختیار کر لیتے۔ پھر قرنِ ثالث (تبع تابعین کا دور) آیا اور اسی قرن میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہوئے۔ امام مالکؒ ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ ۱۵۰ھ میں۔ اسی سن میں امام شافعیؒ پیدا ہوئے اور امام احمدؒ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں ائمہ بھی اپنے پیشروؤں کے طریقے پر ہی تھے

ان کے زمانے میں بھی کسی خاص شخص کا مذہب مقرر نہ تھا جس کی آپس میں تعلیم دیتے ہوں۔ اسی کے قریب ان کے اتباع کا طرز عمل تھا، پس امام مالکؒ اور ان جیسے دیگر ائمہ کے کتنے ہی اقوال ہیں جن میں انہیں کے شاگردوں نے ان سے اختلاف کیا۔ اگر ہم انہیں نقل کریں تو مقصودِ کتاب سے دور نکل جائیں گے (ظاہر ہے کہ) ان شاگردوں نے (آزادی کے ساتھ) اختلاف اسی واسطے کیا کہ وہ (مقلد نہ تھے) بلکہ آلاتِ اجتہاد کے جامع اور استنباطِ مسائل کے طریقوں پر قادر تھے (بہرحال قرونِ ثلاثہ میں مذہبِ تقلید پیدا نہ ہوا تھا) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی اُن کے اس قول میں صداقت واضح کر دی کہ "سب قرنوں میں میرا قرن (زمانہ) سب سے بہتر ہے، پھر وہ جو ان کے بعد والے ہیں، پھر جو ان کے بعد والے" اپنے زمانے کے بعد آپؐ نے صرف دو زمانوں کا ذکر کیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ پس اہلِ تقلید پر تعجب ہے کہ وہ کیسے (اس مذہبِ تقلید کو) قدیم بتلاتے ہیں؟ حالانکہ یہ (مذہبِ تقلید) ہجرت سے دو سو سال بعد پیدا ہوا جب کہ وہ قرون گزر چکے تھے جن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں تعریف فرمائی ہے۔" (ایقاظ ھمم اولی الابصار للفلانیؒ ص ۴۷، ۵۰، طبع مصر منیریہ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ خیر القرون (عہد صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ) میں تقلید کا کوئی نشان نہ تھا اور یہ خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہے۔

ناجی گروہ جہاں تک ناجی گروہ کا تعلق ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ہر گروہ اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھتا ہے (دیکھئے طائفۂ منصورہ۔ مؤلفہ مولانا سرفراز صاحب) اس کے ردِ عمل کے طور پر بعض اہلحدیث بھی اپنے متعلق اس رائے کا اظہار کر دیتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی ایک گروہ مراد نہ بھی لیا جائے تب بھی اس امر میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ "ناجی" افراد وہی لوگ ہوں گے جو اہلحدیث نقطۂ نظر رکھتے ہوں گے اور براہ راست قرآن وحدیث کے عامل اور ان کے مقابلے میں دوسروں کے آراء وافکار کو ترک کرنے والے ہوں گے نہ کہ وہ جو تقلید و بدعت کے جمود کا شکار ہو کر قرآن وحدیث سے عملاً تمسخر واستہزاء (معاذاللہ) والا معاملہ کرتے ہیں ـــ!

تقلید، بدعت وگمراہی ہے یا نہیں؟

رہی یہ بات کہ تقلید، بدعت وگمراہی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں ہم پوری بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ تقلید بعض صورتوں میں شرک بن جاتی ہے تاہم بدعت وگمراہی تو بہر صورت ہے۔ آخر بدعت وگمراہی کس چیز کا نام ہے! اسی چیز کا نہیں کہ جس کا ثبوت دورِ رسالت وخیر القرون میں نہ ہو لیکن اسے دین کا ضروری حصہ سمجھ لیا جائے؟ جب ابتدائی صدیوں میں تقلیدِ شخصی کا کوئی وجود نہ تھا، تو پھر اس کو فرض وواجب کیوں قرار دے لیا گیا ہے؟ اگر یہ تقلید دین کا حصہ نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کے نزدیک دین کا ایک ضروری حصہ ہے اور یہ بدعت وگمراہی کے ذیل میں نہیں آتی تو پھر دوسری بدعات کیوں کر "بدعات" سمجھی جائیں گی؟ پھر تو بریلویوں نے جتنی بھی بدعات کو گھڑ کر مذہب کا ضروری جزء بنا دیا ہے، ان سب کو سندِ جواز دے کر صحیح تسلیم کر لینا چاہیئے۔ یا پھر ان کی بدعات میں اور بدعتِ تقلید میں جو فرق ہے جس کی وجہ سے ایک صرف جائز بلکہ ضروری اور واجب ٹھہرے اور دوسری گمراہی بن جائے اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔

اور بعض حالتوں میں یہ تقلید جو شرک تک پہنچ جاتی ہے اس سلسلے میں ہم چند اقوال نقل کرتے ہیں جن سے اس پہلو کی خوب وضاحت ہو جائے گی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ فرماتے ہیں ولیت شعری کیف یجوز التزام تقلید معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصریحۃ

الدالّة خلاف قول الامام المقلّد فان لم يترك قول امامه ففيه شائبة من الشرك كما يدل عليه حديث الترمذی عن عدی بن حاتم انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن قوله اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فقال یارسول الله انا لم نتخذ احبارنا ورهباننا اربابا فقال انكم حللتم ما احلوا وحرمتم ما حرموا وليس المراد به ردّ النصوص وانكارها فی مقابلة قول ائمتهم بل المراد هو تاويل الدلائل الشرعية الٰی قول ائمتهم فعلم من هذا ان اتباع شخص معين بحيث يتمسك بقوله وان ثبت علٰی خلافه دلائل من السنة والكتاب ويأول الٰی قوله شوب من النصرانية وحظ من الشرك والعجب من القوم لا يخافون من مثل هذا الاتباع بل يخيفون تاركه فما احق هذه الاية فی جوابهم وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (الانعام ۔ ۸۱) فتدبر وانصف ولا تكن من الممترين ونعوذ بالله ان تكون من المتعصبين انتهٰی ملخصًا (تنوير العينين فی اثبات رفع اليدين ص ۲۷، ۲۸، طبع لاہور)

یعنی "کاش میں اس بات کو سمجھ سکتا کہ جب کسی شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایسی روایات کی طرف رجوع کی قدرت حاصل ہو جائے جو صریحًا قولِ امام کے خلاف ہوں تو ایسے شخص کے لیے کسی معین شخص کی تقلید کا لازم پکڑنا کیسے جائز ہو جائے گا۔ پس اگر کوئی مقلد اس صورت میں بھی اپنے امام کا قول ترک نہیں کرے گا۔ تو اس میں شائبۂ شرک ہے۔ جس طرح کہ حضرت عدیؓ بن حاتم سے مروی ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عدیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے

اس فرمان اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم (الآیۃ ۔ التوبہ: ۳۱) کہ "یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے علماء وصوفیوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنا لیا" کے متعلق استفسار کیا اور کہا کہ "ہم نے تو اپنے مولویوں اور صوفیوں کو رب نہیں بنایا تھا" آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ "تم نے اُس چیز کو حلال سمجھا جو انہوں نے حلال قرار دی اور اسے حرام سمجھا جسے انہوں نے حرام قرار دیا" (یہی تو شرک ہے، یعنی اللہ کے سوا دوسرا رب بنانا ہے) اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے اماموں کے مقابلے میں نصوص کا رد اور انکار کرتے تھے بلکہ ان کے اس کرتب کا بیان ہے کہ وہ دلائل شرعیہ کو توڑ مروڑ کر اپنے اماموں کے قول کے مطابق کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص معین کا اس طرح اتباع کہ ہر صورت میں اسی کی بات مانی جائے اگرچہ اس کے خلاف قرآن وسنت کے دلائل موجود ہوں اور دلائل شریعت میں تاویل کر کے ان کو اپنے امام کے مطابق بنانا اس میں شائبۂ نصرانیت اور حصّۂ شرک ہے۔ اور ایسے لوگوں پر تعجب ہے جو ایسی تقلید سے ڈرنے کے بجائے تارکینِ تقلید پر ظلم توڑتے ہیں پس ان کے جواب میں یہ آیت کتنی برمحل ہے (جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا) "اور کیسے ڈروں میں ان سے جن کو تم شریک بناتے ہو اور تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نہیں اتاری پس ہم دونوں جماعتوں میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے اگر تم جانتے ہو" پس سوچو اور انصاف کرو، شک اور تعصب سے بچو۔"

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے چچا جناب شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں۔

"فی الحقیقت اگر مقلدانِ مذاہب تفحص کنند مے یا بند کہ ایں بلائے تقلیدِ ایشاں را بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے از آحاد فقہاء در مقابل حدیث می آرند ترجیح

میدہند وایں ازاں قبیل است کہ علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدا"
(فتاوی عزیزی ص ۱۰۶ جلد اول طبع مجتبائی)

اپنی تفسیر میں بھی شاہ صاحب نے اس تقلید کو شرک قرار دیا ہے چنانچہ وہ آیت فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے تحت لکھتے ہیں :۔

"دریں جا باید دانست چنانچہ عبادتِ غیر خدا مطلقاً شرک و کفر است اطاعتِ غیر او تعالیٰ نیز باستقلال کفر است و معنی اطاعتِ غیر بالاستقلال آں ست کہ اورا مبلغ احکام ندانستہ ربقۂ تقلیدِ او در گردن انداز دو تقلیدِ او لازم شمارد و با وجود ظہور مخالف حکم او با حکم او تعالیٰ دست از اتباع او بر ندارد وایں ہم نوعے است از اتخاذ انداد کہ در آیتِ کریمہ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ نکوہش آں فرمودہ اند" (تفسیر فتح العزیز پارہ اول)

خلاصۃً ان ہر دو عبارتوں کا یہ ہے کہ کسی امام کی اس طرح تقلید کرنا کہ ہر معاملے میں اس کی رائے کو حق و صواب سمجھنا اور اس کے مقابلے میں حدیثِ رسولؐ اور حکمِ خدا کو بھی ٹھکرا دینا، یہ گویا اس امام کو پیغمبری، یا خدا کی ہمسری یا خود مقامِ خدائی پر فائز کرنا ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں، امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی رح نے اپنی تفسیر المظہری میں اور دیگر علماء نے حضرت عدی رض بن حاتم کی روایت اور آیتِ قرآنی اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کو مدارِ استدلال بناتے ہوئے ایسی تقلید کو جس میں مقلد نصوصِ قرآن و حدیث کی کوئی پروانہ کرے، شرک قرار دیا ہے۔

اہلِ تقلید کا طرزِ عمل

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جو تقلید اتنی مذموم ہے کہ اس میں شائبہ شرک تک پایا جاتا ہے، کوئی مفروضہ اور واہمہ نہیں، مقلدین میں

یہ ذہنیت عام رہی ہے اور نصوصِ قرآن وحدیث کا انکار یا ان کی ایسی دُور از کار تاویلات کا ارتکاب جو انکار کے مترادف ہے، مقلدین کا شیوۂ گفتار اور طرۂ کردار ہے۔ چنانچہ حضرات احناف کے ایک سرکردہ بزرگ امام کرخیؒ فرماتے ہیں :۔ ان کل ایۃ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل (اصول الامام الکرخی مطبوعہ مع تاسیس النظر للدبوسی ص مطبع قاسمی دیوبند)

یعنی: "قرآن کی ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب (یعنی مذہب حنفی) کے خلاف ہو، وہ یا تو منسوخ سمجھی جائے گی یا ترجیح پر محمول ہوگی تاہم بہتر یہ ہے اس (آیت) کی تاویل کرلی جائے (تاکہ ہمارے موافق ہوسکے)" یاد رہے کہ ان امام کرخیؒ کی وفات ۳۴۰ھ کی ہے۔ تو یہ ہے ایسے بڑے مقلدین کی گفتار۔

اس کے ساتھ ان کا کردار بھی اس کے مطابق ہے جیسا کہ مشہور مفسر امام رازیؒ اس سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے اپنے شیخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ قد شاھدت جماعۃ من مقلدۃ الفقھاء قرأت علیھم آیات کثیرۃ من کتاب اللہ فی بعض المسائل وکانت مذاھبھم بخلاف تلک الآیات، فلم یقبلوا تلک الآیات ولم یلتفتوا الیھا وبقوا ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواھر ھذہ الآیات مع ان الروایۃ عن سلفنا وردت علی خلافھا، ولو تأملت حق التأمل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا (تفسیر کبیر ص ۳۰ ج ۱۶ طبع جدید) یعنی "میں نے فقہائے مقلدین کے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں نے انہیں کتاب اللہ کی بہت سی ایسی آیات سنائیں، جو ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھیں تو انہوں نے ان کے نہ صرف قبول کرنے سے اعراض کیا بلکہ ان کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی بلکہ مجھے بڑی تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگے کہ ان آیات کے ظواہر پر عمل کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے اکابر ان کے خلاف

کہہ گئے ہیں۔ اے مخاطب اگر تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور کرے (تو ایک جماعت فقہاء کیلئے) یہ بیماری تو اکثر (ایسے مقلدین) میں گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ مقلدینؒ کے اس طرزِ عمل کے بارے میں امام عزّ الدین بن عبد السلام کا یہ قول نقل فرماتے ہیں۔ ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف مأخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعًا وهو مع ذلك يقلده فيه ويترك من شهد له الكتاب والسنة والأقيسة الصحيحة لمذهبهم جمودًا على تقليد امامه بل يتحيل لدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتأولها بالتاويلات البعيدة الباطلة نضالا عن مقلده۔

(حجۃ البالغۃ، ص ۱۵۵ طبع مصر۔ امام عزالدین کا یہ قول ان کی کتاب قواعد الاحکام فی مصالح الانام طبع مصر (۱۹۳۴ء) کے صفحہ ۱۳۵ پر ۔۔۔ قدرے تغیر الفاظ کے ساتھ موجود ہے) "فقہائے مقلدین کا طرزِ عمل سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے کہ اپنے امام کے ماخذ کے ضعف سے واقف ہونے کے باوجود اور ضعف بھی ایسا کہ اسے دفع کرنے کی کوئی صورت وہ نہیں پاتے ۔۔ وہ اس مسئلے میں اپنے امام ہی کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی اور بعد میں جمود کی وجہ سے اس مسئلے میں نہ صرف کتاب و سنت اور قیاس صحیح کو ترک کر دیتے ہیں بلکہ ظاہر کتاب و سنت کو ٹالنے کے لیے حیلہ سازیاں کرتے ہیں اور ان کی یکسر باطل اور دُور از کار توجیہیں کرتے ہیں۔"

امام ابو شامہؒ فقہائے مقلدین کے اس طرزِ عمل کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وقد حرم الفقهاء في زماننا النظر في كتب الحديث والآثار والبحث فقهها ومعانيها ومطالعة الكتب النفيسة المصنفة في شروحها وغريبها بل افنوا ازمانهم وعمرهم في النظر في اقوال من سبقهم من متاخري الفقهاء وتركوا النظر في نصوص نبيهم المعصوم من الخطاء صلى الله عليه وسلم وآثار الصحابة الذين شهدوا الوحي وعاينوا المصطفى

صلی اللہ علیہ وسلم وفھموا نفائس الشریعۃ فلاجرم حرم ھؤلاء مرتبۃ الاجتھاد وبقوا مقلدین علی الآباء (مختصر المؤمل ص ۲۹ در مجموعۃ الرسائل المنیریۃ ج ۳)

"ہمارے زمانے کے فقہاء نے احادیث و آثار کی کتابوں کا دیکھنا، فقہ حدیث و معانیٔ حدیث پر غور کرنا اور حدیث کی تشریحات کا مطالعہ کرنا اپنے پر حرام قرار دے لیا ہے۔ انہوں نے اپنا سارا وقت اور پوری عمریں اپنے پیشرو متأخرین فقہاء کے اقوال کے غور و فکر میں ہی کھپا دیں اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو اپنی فکر و نظر سے خارج رکھا جو معصوم عن الخطا ہے، اُن صحابہؓ کے آثار کو نظر انداز کر دیا۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نزولِ وحی کا مشاہدہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور شریعت کے معیارِ مطلوب کو سمجھا سو ایسے فقہاء یقیناً رتبہ اجتہاد سے محروم اور اپنے آباء کی تقلید پر قانع رہے۔"

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحاتِ مکیہ کے باب ۳۲۰ معرفتِ نسخ شریعت میں لکھتے ہیں۔

"شیطان کو اللہ تعالیٰ نے خیال پر تسلط دیا ہے۔ پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اس کو بہکاتا ہے۔ پس وہ فقیہ احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور اس کے عدمِ قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر یہ حدیث صحیح ہے مگر کوئی حدیث اس کے معارض اور اس کی ناسخ نہ ہوتی تو ضرور (ہمارے) امام اس پر عمل کرتے۔ جو فقیہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترکِ حدیث پر ایسے ہی عذر و حیلے کرتا ہے اور عامل بالحدیث کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اس کے امام نے کہہ دیا اس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ ان کے اقوال حدیث کے معارض ہوں لیکن وہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرض کہ خواہشاتِ نفسانی

کے سبب سے فقہاء نے شریعت محمدی کو منسوخ کر دیا۔ احادیث صحیحہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان کے راویوں کے نام بھی مذکور، ان کی جرح و تعدیل بھی منقول، اور ان کی سندیں بھی بغیر کسی تبدیلی کے محفوظ ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود مقلدین میں سے کوئی ان پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں ہی کے فتوؤں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور باوجود مخالف احادیث صحیحہ اپنے فقیہوں کے اقوال ترک نہیں کرتے۔" (ماخوذ از "دراسات اللبیب" ص ۱۷۹، ۱۸۰، طبع کراچی)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

"اگر تم پوچھو کہ ان احادیث کی بابت میں کیا کروں جو میرے امام کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں اور امام نے ان کو نہیں لیا تھا تو جواب یہ ہے کہ تمہیں چاہیے کہ ان پر عمل کرو کیونکہ اگر تمہارے امام ان کو پاتے تو انہیں احادیث پر عمل کرنے کا حکم دیتے، جو شخص ایسا کرے اس نے گویا بھلائی کو دونوں ہاتھوں سے جمع کر لیا۔ اور جس نے کہا کہ وہ حدیث جس کو میرے امام نے نہیں لیا میں تو اس پر عمل نہیں کروں گا تو وہ شخص خیر کثیر سے ہاتھ دھو بیٹھا، جیسا کہ اکثر مقلدین کا حال ہے کما علیہ کثیر من المقلدین لائمۃ المذاہب حالانکہ ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ ہر اُس حدیث پر عمل کرتے جو ان کے امام کے بعد صحیح طور پر ان تک پہنچ گئی۔" (المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶)

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

"برخلاف اس کے بعض مقلدین کا حال ہے کہ انھوں نے مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری یا مسلم میں پاؤں جسے میرے امام نے نہ لیا ہو تو میں اس پر عمل نہیں کروں گا (یاد رکھو) یہ طرز عمل شریعت سے ناواقفیت

اور جہالت کا نتیجہ ہے اور سب سے پہلے اس کا امام ہی اس طرزِ عمل سے بیزار ہے۔" (ص ۱۰ ج ۱۱)

اسی طرح علامہ محمد حیات سندھی ثم المدنی نے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفیؒ نے نافع کبیر میں اور مرزا مظہر جانِ جاناں نے (کلمات طیبات بضمن ملفوظات ص ۱۵۰ مطبوعہ مرادآباد) میں اور دیگر علماء نے اور شاہ ولی اللہؒ نے متعدد جگہ مقلدین کے اس طرزِ عمل کی نشاندہی کی ہے اور اس پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔

الغرض مقلدین کا یہ عام شیوہ ہے جس میں ہر دور کے مقلدین مبتلا رہے ہیں اور تقلید کی یہی وہ سب سے بڑی خرابی ہے جس نے مقلدین کو نصوصِ شریعت سے دور اور قرآن و حدیث کی حجیت سے عاری کر دیا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی کسی شخص کو تقلید کے بدعت اور گمراہی ہونے میں شک ہو تو ہم اس کے لیے یہ دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے دین کی صحیح سمجھ عطاء فرمائے اور قلب و نظر کی اُس کجی کو دور کر دے جو تقلید نے اس میں پیدا کر دی ہے۔

پھر وہی شیعوں کی ہمنوائی کا غلط الزام

دیوبندی تبصرہ نگار مزید لکھتے ہیں:۔

"اُن (شیعوں) کے نزدیک خلفائے ثلاثہ گمراہ تھے آپ (اہلحدیث) کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ، و شافعیؒ کے اجتہادات قرآن و حدیث کے مخالف تھے۔ اُن کے نزدیک خلفائے ثلاثہ کے پیروکار گمراہ ہیں، آپ کے ہاں ائمہ اربعہ کے مقلدین گمراہ ہیں۔"

یہاں بھی جناب تبصرہ نگار نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ شیعوں کے نزدیک خلفائے ثلاثہ گمراہ ہی نہیں بلکہ (نعوذ باللہ) خائن، غاصب اور مرتد ہیں اور اہلحدیث ائمہ اربعہ کو (معاذ اللہ) کافر و مرتد تو کجا ان کی گمراہی کے تصور تک کو بھی منافیٔ ایمان سمجھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ،

امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور ایسے ہی دیگر ائمہ دین سے تو اہلحدیث کا سرے سے کوئی اختلاف ہی نہیں، نہ وہ کسی کے مقلد تھے نہ انہوں نے تقلید کا حکم دیا ہے، وہ یقیناً جس طرح ہم سے لاکھ درجہ کہیں زیادہ نیک اور پارسا تھے، اسی طرح جذبۂ اتباعِ سنت میں بھی وہ بہت آگے تھے۔ انہوں نے جانتے بوجھتے کبھی قرآن وحدیث کے خلاف کوئی فتوی نہیں دیا۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں تک صراحت کر دی ہے کہ "ہمارا جو بھی قول حدیثِ صحیح کے خلاف ہو، اسے دیوار پر دے مارو" اہلحدیث کو تو سارا اختلاف ان لوگوں سے ہے۔ جنہوں نے ان ائمہ کرام کے نام پر دینِ حق کو فرقوں میں بانٹ دیا اور ان کی تقلیدِ جامد پر اصرار کر کے قرآن وحدیث سے غفلت واعراض کو عام کیا۔

اگر ائمہ مذکورین کے بعض اجتہادات کو اہلحدیث قرآن وحدیث کے مخالف بھی سمجھتے ہیں تب بھی ان اجتہادات کو کبھی "گمراہی" سے تعبیر نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا طرزِ عمل وفکر بالکل صحیح تھا اور وہ اُس کورانہ تقلید سے کوسوں دُور تھے جو ان کے بعد رائج ہوئی اس لیے اول تو ان کے سارے اجتہادات قرآن وحدیث کے مخالف نہیں تھے (جیسا کہ تبصرہ نگار نے یہ تأثر دیا ہے کہ اہلحدیث سارے اجتہادات کو مخالفِ قرآن وحدیث سمجھتے ہیں) دوسرے کہیں کہیں ان کے اجتہادات قرآن وحدیث کے اگر خلاف ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے دَور میں احادیث کی باقاعدہ مُدوّنات وجود میں نہیں آئی تھیں جس کی وجہ سے کئی مسائل اجتہادیہ میں ان کی رسائی حدیث تک نہ ہو سکی تھی، جیسا کہ علماء نے اس پہلو کی بھی خوب صراحت کر دی ہے، بنابریں وہ ہر صورت میں معذور اور ثواب کے مستحق ہیں۔ البتہ بعد میں آنے والے وہ دلدادگانِ تقلید فقہاء یقیناً کوتاہیٔ فکر وعمل کے مرتکب ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن وحدیث سے صرفِ نظر کر کے محض ان کے اجتہادات ہی کو مدارِ استدلال بنائے رکھا اور تقلیدی ذہن وعمل کو فروغ دیا۔

تبصرہ نگار نے جس عامیانہ انداز سے "اہلحدیث" پر الزام تراشی کی ہے۔ اس کی سطحیت

کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعینہ یہ الزام ان پر بھی عائد ہو سکتا ہے، تبصرہ نگار سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا امام ابوحنیفہ رح کو چھوڑ کر باقی ائمۂ ثلاثہ کے اجتہادات ان کے نزدیک قرآن وحدیث کے مخالف ہیں یا موافق؟ ظاہر ہے کہ موافقت کا فتویٰ وہ صادر نہیں فرما سکتے، اس طرح تو پھر کتب فقہ کی بحث وجدل کی ساری معرکہ آرائیاں دفعتہً سرد ہو کر رہ جائیں گی۔ یقیناً ان کے نزدیک ائمۂ ثلاثہ کے اجتہادات غلط ہیں اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ "شیعوں کے نزدیک بھی خلفائے ثلاثہ گمراہ تھے اور آپ کے نزدیک بھی ائمۂ ثلاثہ (امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد رح) کے اجتہادات غلط ہیں۔ آپ میں اور شیعوں میں کیا فرق باقی رہا؟" ماھو جوابکم فھو جوابنا ؎

تم ہی اپنے جور وستم کو دیکھو ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رہی دوسری بات کہ شیعوں کے نزدیک جس طرح خلفائے ثلاثہ کے پیروکار گمراہ ہیں "اہلحدیث" کے نزدیک ائمۂ اربعہ کے مقلدین گمراہ ہیں۔ تو یہاں بھی شیعوں سے تشبیہہ دینا غلط ہے (اس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر چکے ہیں) اولاً اس لیے کہ شیعہ! صحابہ رض کے پیروکاروں کو صرف "گمراہ" ہی نہیں سمجھتے بلکہ اور بہت کچھ سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک جامد مقلدین قرآن وحدیث سے اعراض ونفور کی وجہ سے گمراہ تو ضرور ہیں لیکن شیعوں کی طرح ان کے ایمان واسلام کی نفی کبھی نہیں کی ہے۔ ثانیاً آپ کے نزدیک خود اہلِ اسلام کی اکثریت گمراہ ہے پھر کیوں نہ آپ کو بھی شیعوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔

کیا "اہلحدیث" کی بنیاد صرف صحاح کی چند احادیث ہی ہیں

تبصرہ نگار لکھتے ہیں:-

"شیعوں کی بنیاد حضرت علی رض کے فضائل اور چند تاریخی واقعات کی غلط تصویر پر ہے۔ باقی تمام صحابہ رض کے فضائل اور اصول یا حقائق کو وہ نہیں جانتے آپ (اہلحدیث) کی بنیاد بھی صحاح کی چند احادیث پر ہے اور وہی

شب و روز آپ کا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ ائمۂ اربعہ یا دیگر فقہاء کے مستدلات واحادیث کو آپ غلط ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔"

یہاں تبصرہ نگار نے "اہلحدیث" کا وہ محدود تصور پیش کیا ہے جو غالباً وہ اپنے ذہنوں میں رکھتے ہیں یا عوام میں ان کے متعلق غلط تأثر پھیلانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اس کے بالکل برعکس نفس الامری حقیقت یہ ہے کہ "اہلحدیث" کی بنیاد صحاح کی چند احادیث ہی نہیں بلکہ تمام احادیث صحیحہ ہیں۔ آپ صحیحین کی یا اصولِ تنقید حدیث کے مطابق جو بھی حدیث صحیح "اہلحدیث" کے سامنے پیش کریں گے وہ ان کے لیے حجت اور قابلِ عمل ہے۔ ایسے موقعوں پر آپ کو جو پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ فلاں حدیثِ صحیح پر عمل کیا تو قولِ امام اور ترکِ مذہب لازم آئے گا جو آپ کے نزدیک جائز نہیں۔ الحمدللہ "اہلحدیث" کو اس پریشانی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ آپ اگر فاتحہ خلف الامام کے خلاف حدیثِ صحیح و قوی پیش کر دیں تو وہ یقیناً اس پر عمل کریں گے گو ان کا موجودہ طرزِ عمل فاتحہ خلف الامام والی حدیث پر ہے۔ آپ مواضع ثلثہ میں رفع الیدین نہ کرنے کا ثبوت کسی حدیثِ صحیح صریح سے پیش کر دیں اہل حدیث بلا کسی ذہنی تحفظ اور بلا کسی حیل و حجت کے اس پر عمل درآمد کریں گے، اسی طرح دیگر مسائل کو سمجھ لیجیے کیونکہ ہمارے کوئی ذہنی تحفظات نہیں، کسی سے وابستگی نہیں، کوئی فرضی فقہ نہیں، کوئی خانہ ساز اصول نہیں، اس لیے کسی بھی حدیث پر عمل کرنے میں ہمارے کوئی چیز آڑے نہیں آسکتی۔ جس طرح آپ کے یہاں قدم قدم پر حدیثِ صحیح پر عمل کرنے میں رکاوٹیں ہیں کہیں تقلیدِ امام کا سفسطہ ہے، کہیں فقہ کا کوئی اختراعی مسئلہ ہے، کہیں خانہ ساز اصول ہے اور کہیں اکابر پرستی ہے۔ اس لیے صحاح کی چند احادیث ہی اہل حدیث کی بنیاد نہیں بلکہ تمام احادیث صحیحہ ہیں۔ البتہ ایسی ضعاف و موضوع روایات سے وہ ابا کرتے ہیں جن سے عموماً فقہ حنفی کا خمیر اٹھایا گیا ہے۔

اگر فقہائے کے مستدلات اور حدیث صحیح کے مقابلے میں ضعیف احادیث کی تغلیط و تردید

کرنے پر ہم "تُلے" رہتے ہیں تو یہ کون سا بڑا کام ہے؟ ایسا ہم قرآن وحدیث کی برتری ہی کے لیے تو کرتے ہیں، ہمارا مشن تو پھر بھی الحمدللہ بہت پاک اور بلند ہے۔ اس کے برعکس آپ فقہائے احناف کے علاوہ دیگر فقہاء کے مستدلات اور احادیثِ صحیحہ کو غلط ثابت کرنے پر اس لیے تُلے رہتے ہیں کہ آپکے اُس امام اور فقہ کی برتری ثابت ہو جو بہرحال معیارِ حق نہیں۔ فرمائیے کس کی مساعی تحسین وآفرین کی مستحق ہیں؟ آخر "اہلحدیث" سے برسرپیکار رہنے کی بجز اس کے اور کیا وجہ ہے کہ "اہلحدیث" قرآن وحدیث کی برتری چاہتے ہیں اور آپ "سلسلۂ عالیہ حنفیہ" کی۔

قدامت "اہلحدیث"

تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

"بحیثیت فرقہ (رشیعہ) ایک فرقہ ہی ہیں جس کی بنیاد پہلی صدی میں پڑ چکی تھی اور تیسری و چوتھی صدی میں منظم ہوئے بحیثیتِ فرقہ منکرِ تقلید آپ (اہلحدیث) صدی بھر سے وجود میں آئے۔"

سبحان اللہ! پیداوار خود بعد کی ہیں اور بتلا رہے ہیں "اہلحدیث" کو۔ فقیر خود ہیں اور باور اہلحدیث کو کرا رہے ہیں! محترم! ذرا ہوش کے ناخن لیجئے۔ تقلید کی تنگنائیوں سے نکل کر علم وتحقیق کی روشنی میں آئیے تو آپ کو پتہ چلے کہ "اہل حدیث" کیا ہیں؟ اور کب سے ہیں۔ سنیئے! "اہلحدیث" کوئی فرقہ نہیں بلکہ اصل، خالص، بے آمیز اور ٹھیٹھ اسلام کے حامل افراد کا نام ہے۔ صحابہؓ وتابعین اسی نقطۂ نظر کے حامل اور عامل تھے جس کے "اہلحدیث" قائل ہیں، دورِ خیر القرون میں، جب کہ تقلید کی بدعت شروع نہیں ہوئی تھی، سب اہلِ اسلام "اہلحدیث" نقطۂ نظر رکھتے تھے یعنی کسی کے مقلد نہ تھے، اور براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کرتے تھے، حتیٰ کہ ائمۂ اربعہ بھی اہلحدیث ذہن رکھتے تھے اور تقلیدی مذہب، جس کے آپ حامل ہیں، تیسری صدی میں پیدا ہوا اور شاہ ولی اللہ رحمہ وغیرہ کی تصریحات کے مطابق چوتھی صدی میں اس کا فروغ وتغلب ہوا، لیکن فروغِ تقلید

اور کثرتِ معاندین کے باوجود "اہلحدیث" ہر دور اور ہر صدی میں رہے اور لوگوں کو خالص قرآن و حدیث کی دعوت دیتے رہے، کوئی دوران کی دعوت و تبلیغ سے خالی نہیں رہا۔ خود آپ کی فقہ و اصول کی کتابوں میں مختلف مذاہب ائمہ کے ساتھ اہلحدیث اور اصحاب الحدیث کا ذکر بطور ایک مکتب فکر کے موجود ہے چنانچہ حنفی فقہ اور اصولِ فقہ کی بیشتر کتابوں میں آپ اس طرح دیکھیں گے۔ "وعلیہ عامۃ اھل الحدیث"۔ "وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث"۔ "کما ھو قال الحنابلۃ و بعض اھل الحدیث"۔ "وعزاہ فی البحر الیٰ جمھور اھل الحدیث"۔ "و الی التحریم ذھب الشافعی ومالک واحمد وسفیان وجمیع ائمۃ الحدیث"۔ "وھو منقول من عامۃ اھل الحدیث"۔ وغیرہ اسی طرح کتب حدیث اوران کی شروح میں اہلحدیث مکتب فکر کا ہر جگہ ذکر موجود ہے۔

اب آئیے کتب تاریخ و سیر کی طرف، ان سے اہلحدیث کی قدامت اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اپنے کو اہلحدیث کہا ہے (اصابہ ج ۴ ص ۲۰۴، تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۹، تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۴۶۷)، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو "اہلحدیث" کہا گیا (تاریخ بغداد للخطیب ج ۳ ص ۲۲۷، ج ۹ ص ۴۵۲) حضرت ابوسعید خدری رضؓ نے فرمایا انکم خلوفنا واھل الحدیث بعدنا (کتاب شرف اصحاب الحدیث، للخطیب، ص ۲۱) یعنی ہمارے بعد تم تابعی لوگ اہلحدیث ہو۔ ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ و تابعینؒ اہل حدیث تھے، اسی طرح تابعین و تبع تابعین سب اہل حدیث تھے جو ان کے تذکروں سے بالکل واضح ہے۔ تفصیل کے لیے تذکرۃ الحفاظ للذھبیؒ اور تاریخ بغداد للخطیب وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ مشہور عرب سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا، کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں سندھ کے مشہور شہر منصورہ کے حال میں لکھا ہے:۔

"یہاں کے ذمی بت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں میں اکثر اہلحدیث ہیں، یہاں مجھے قاضی ابومحمد منصوری سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے"

علامہ ابو منصور بغدادی (جو پانچویں صدی کے ہیں) اپنی کتاب اصول الدین میں لکھتے ہیں:۔

"روم وشام جزیرہ اور آذربیجان کی سرحدوں کے باشندے سب کے سب اہلحدیث مذہب کے ہیں" (ص ۳۱۷، ج ۱)

حافظ ذہبیؒ نے تاریخ اسلام میں افریقہ کے ایک خلیفہ یوسف بن عبدالرحمٰن کے بارے میں ابو بکر جدانہ کا واقعہ لکھا ہے جدانہ کہتے ہیں کہ میں امیر المومنین یوسف سے ملنے گیا تو دیکھا ان کے سامنے قرآن مجید، سنن ابوداؤد اور تلوار رکھی ہوئی ہے خلیفہ نے ان تینوں چیزوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "سوائے ان تین (قرآن، حدیث، تلوار) کے باقی سب بے سود ہے" ان کے بعد ان کا بیٹا یعقوب خلیفہ بنا، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ:۔

"ان کے زمانہ میں افریقہ سے فقہ کا علم اٹھ گیا۔ خلیفہ نے کتب فقہ میں مشتغل رہنے سے منع کر دیا اور حکم دیا تھا کہ لوگ صحاح ستہ اور کتب سنن ومسانید پڑھیں پڑھائیں خلیفہ خود بھی حدیث پڑھاتا اور حدیث یاد کرنے والوں کو انعام دیتا تھا"

ابن خلکان نے بھی اس خلیفہ کے حال میں لکھا ہے۔ امر برفض فروع الفقہ وان الفقہاء لا یفتون الا بالکتاب والسنۃ ولا یقلدون احداً من الائمۃ (ص ۲، ج ۲) "یعنی اس نے حکم دے دیا تھا کہ فقہ چھوڑ دو، قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دو اور کسی امام کی تقلید نہ کرو"

کتب تواریخ وسیر میں ایسے سینکڑوں اہلحدیث کا تذکرہ ملتا ہے جو ترکِ تقلید اور عمل بالحدیث کی وجہ سے مختلف آلام ومصائب کا نشانہ بنائے گئے۔ صدی وار اگر ان کا تذکرہ کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب اس موضوع پر تیار ہو جائے۔ ابن خلدونؒ نے اپنے مقدمہ میں، شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں، شہرستانی نے "الملل والنحل" میں، ابن ندیم نے اپنی فہرست میں اور مقریزی نے الخطط میں اور دیگر کئی علماء ومؤرخین نے اہلحدیث اور اہل الرائے کا دو مستقل مکتب فکر کے طور پر ذکر کیا ہے۔ مقریزی نے یہ بھی لکھا ہے کانت افریقۃ الغالب علیھا السنن والآثار الی ان قدم عبداللہ بن فروخ ابو محمد الفارسی بمذھب ابی حنیفۃ

(الخطط، ج ص ۱۴۴) " افریقہ میں سب لوگ سنن و آثار (مسلک اہل حدیث) کے پابند تھے یہاں تک کہ شیخ عبداللہ بن فروخ حضرت امام ابوحنیفہ رح کا مسلک لے کر آ گئے۔"

الغرض اس حکایتِ لذیذ کو کہاں تک طول دیا جائے، ان چند حوالوں سے ہی یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اہلحدیث کا تسلسل از عہدِ صحابہ تا ایں دم قائم ہے اور ہر دور میں انہوں نے قرآن و حدیث کا عَلَم بلند رکھا ہے اور تقلید و بدعت کی گمراہیوں سے مسلمانوں کو بچاتے رہے ہیں فالحمد للہ علیٰ ذلك

پس جماعتِ اہلحدیث کو ایک صدی قبل کی پیداوار قرار دینا پرلے درجے کی جہالت ہے یا انتہاء درجے کی بد دیانتی اور حزبی تعصب۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مقلدین دورِ خیرالقرون کے بعد کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ پہلے اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آہستہ آہستہ اہلحدیث کے مقابلے میں پھر مقلدین کی کثرت ہو گئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ کثرت تو صحت و صداقت کی سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں ہے، جیسا کہ خود تبصرہ نگار کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا۔

کیا محدثین بھی مقلّد تھے؟

تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

" پہلے خال خال کوئی اہلِ ظاہر ملتے ہیں جن کا جماعتی تسلسل وجود نہ تھا اور جملہ محدثین و اصحابِ حدیث ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی تقلید کرتے چلے آ رہے ہیں۔"

یہاں بھی مؤلف نے یہ غلط تاثر دینے کے لیے کہ اہل حدیث بحیثیت منکرِ تقلید حال ہی کی پیداوار ہیں، ایک اور عظیم غلط بیانی سے کام لیا کہ تمام محدثین بھی (نعوذ باللہ) مقلد تھے ؎

پا پوش میں لگائی کرن آفتاب کی   جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

حالانکہ کوئی ان سے پوچھے کہ تمام محدثین بھی اگر ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ضرور تھے، تو تفاسیر میں، کتبِ فقہ و اصول میں، کتبِ حدیث اور ان کی شروح میں اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں

مذاہب اربعہ کے ساتھ ساتھ اہل الحدیث، اصحاب الحدیث اور محدثین کے نام سے پانچویں مسلک کا الگ ذکر کیوں ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مسالک اربعہ کے ساتھ مسلکِ محدثین کا الگ ذکر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصحاب الحدیث کسی کے مقلد نہ تھے، اگر وہ بھی مقلد ہی ہوتے تو کسی پانچویں مسلک کے ذکر کی ضرورت ہی نہ ہوتی حالانکہ اس پانچویں مسلک کی گونج تاریخ وسِیَر کی کتابوں سے لے کر فقہیات و کلامیات کی تمام کتابوں میں ملتی ہے اور اسی پانچویں مسلکِ حق کے حامل الحمد للہ اہلحدیث ہیں جن سے کوئی دور اور قرن خالی نہیں رہا ہے۔ تمام محدثین کو بھی مقلد باور کرانا اس صدی کی ایسی عظیم ترین غلط بیانی ہے جس پر علمائے دیوبند کو "نوبل پرائز" ملنا چاہیئے۔

ممکن ہے کہ بعض محدثین و مجتہدین کے ساتھ شافعیت و حنبلیت وغیرہ کا جو لاحقہ لگا ہوتا ہے اس سے تبصرہ نگار اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہوں کہ محدثین بھی کسی نہ کسی کے مقلد ضرور تھے لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض علمائے محققین اور محدثین و مجتہدین کے ساتھ شافعیت و مالکیت وغیرہ کی جو نسبت لگی ہوتی ہے، اس کی وجہ تقلید ہرگز نہیں بلکہ اس انتساب کے کئی اسباب و وجوہ ہیں۔ وضاحت کے لیے چند اسباب کا ذکر کر دینا اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) بعض دفعہ کسی امام سے کثرتِ موافقت اس کی طرف انتساب کا سبب بن گئی۔ از خود لوگوں نے انہیں اس امام کی طرف منسوب کر دیا یا بعض دفعہ اپنے مسلک کی وضاحت میں آسانی کے لیے اپنے کو کسی طرف منسوب کر لیا، جس سے مقصد روشِ عام کے مطابق عوام کی تشفی و تسلی ہوتی تھی، فی الحقیقت تقلید سے وہ کوسوں دور ہوتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ النافع الکبیر میں لکھتے ہیں۔

وقد نقل عن ابی بکر القفّال وابی علی القاضی حسین من الشافعیۃ انھم قالوا لسنا مقلدین للشافعی بل وافق رأینا رأیہ۔

"ابوبکر قفّال، ابوعلی اور قاضی حسین سے جو شافعیہ میں شمار کیے جاتے ہیں یہ صراحت منقول ہے کہ ہم (امام) شافعیؒ کے مقلد نہیں ہیں (اور ہمیں جو ان کی طرف

منسوب کیا جاتا ہے تو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ، ہماری رائے ان کی رائے کے موافق پڑ گئی "۔

فاضل لکھنوی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بظاہر یہی صورت حال مشہور حنفی امام ابو جعفر طحاوی کی انتساب حنفیت میں معلوم ہوتی ہے۔ وھو الظاھر من حال الامام ابی جعفر الطحاوی فی اخذہ بمذھب ابی حنیفۃ۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔ وکان صاحب الحدیث ایضا قد ینسب الی احد المذاھب لکثرۃ موافقتہ لہ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۳)

"بعض دفعہ صاحب الحدیث (اہلحدیث) کو بھی کسی نہ کسی مذہب (مذاہب اربعہ میں سے) کی طرف کثرت موافقت کی وجہ سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔"

شاہ صاحب مزید "انصاف" میں انوار سے نقل فرماتے ہیں :۔

"جو لوگ شافعی، ابو حنیفہ، مالک، اور امام احمد کے مذہب کی طرف منسوب ہیں، ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو عوام ہیں، دوسرے جو رتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں اور (ان کے مقلد ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ) ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ جو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوئے تو اس کے ساتھ طریقۂ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے (نہ کہ تقلید کی وجہ سے)۔"

والمجتھد لا یقلد مجتھدا وانما ینتسبون الیہ لجریھم علی طریقتہ فی الاجتھاد واستعمال الادلۃ و ترتیب بعضھا علی بعض (انصاف مع ترجمہ اردو کشاف، ص ۶۸، ۶۹)

شیخ عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں فرماتے ہیں :۔

"اگر تم کہو کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوتا بلکہ وہ علم انہی سرچشموں

سے حاصل کرتا ہے جن سے ائمہ مجتہدین نے حاصل کیا (تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بعض اولیاء کو بعض ائمہ کا مقلد پاتے ہیں ؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ ولی کبھی تو مقامِ کمال کو ہی پہنچا ہوا نہیں ہوتا، یا پہنچا ہوا ہوتا ہے (تو دراصل وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا) لیکن وہ اگر بعض ائمہ کی تقلید مسئلے میں ظاہر کرتا ہے تو وہ ایسا ادباً کرتا ہے اس واسطے کہ وہ امام اس ولی سے پہلے اس مسئلے کا قائل ہو چکا ہے اور اللہ نے اس کو امام و پیشوا بنا رکھا ہے اور وہ مشہور رہا ہے اور اس ولی کو ویسی شہرت حاصل نہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ولی اس امام کے قول پر (جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا ہے) عمل کرتا ہے تو دلیل سے واقف ہو کر کرتا ہے نہ کہ اس کی تقلید کے طور پر بلکہ توارد کے طور پر۔ تو یہ ولی شارع ہی کا مقلد (متبع) رہا نہ کسی اور کا"۔ (المیزان الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۲، طبع مصر)

(۲) بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شروع میں بعض لوگ بعض ائمہ کی تقلید کرتے لیکن بعد میں ان کے دائرۂ تقلید سے نکل آتے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں احکامِ دین پر عمل کرتے تاہم ابتداءً ان کا جو انتساب بعض ائمہ کی طرف ہو جاتا وہ اس کے بعد بھی قائم رہتا اور لوگ انہیں بدستور انہیں کا مقلد سمجھتے حالانکہ وہ مقلد نہیں رہے ہوتے تھے۔

چنانچہ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں :۔

"ایک مرتبہ میں نے اپنے پیشوا علی خواص سے عرض کیا کہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو امام احمدؒ کی تقلید اور جناب محمد شاذلیؒ کو امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کیسے جائز تھی ؟ حالانکہ یہ دونوں قطبیتِ کبریٰ کے ساتھ مشہور ہیں، اور اس مرتبے والا شارع علیہ السلام کے سوا کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تقلید اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے ہو گی۔ پھر جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ گئے تب بھی لوگ یہ لقب (حنفی، شافعی وغیرہ) ان کے حق میں استعمال کرتے رہے۔

باوجودیکہ وہ تقلید ترک کر چکے تھے، فاعلم ذلک"۔ (المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۲۲)

(۳) بعض دفعہ تقلیدی جمود و تعصب اتنا زیادہ ہوتا کہ کسی تقلیدی مذہب کو اختیار کیے بغیر درس و تدریس اور تعلیم و تبلیغ کی بھی کوئی صورت نہ رہتی۔ کیونکہ بالعموم مدارس و مساجد کے ارباب اہتمام مقلدین ہی ہوتے اور وہ مخصوص فکر و ذہن کے آدمیوں کا ہی وہاں تقرر کرتے تھے۔ حکومتی سطح پہ یہی حال قضاء و افتاء کے محکموں کا تھا۔ ان سرکاری و غیر سرکاری اعمال و وظائف کے حصول کے لیے بھی بعض دفعہ بعض محدثین و مجتہدین کو انتساب ائمہ پر مجبور ہونا پڑا۔ امام ابو زرعہ رحمہ کہتے ہیں :۔

"ایک مرتبہ میں نے اپنے استاذ امام بلقینیؒ سے عرض کیا کہ شیخ تقی الدین سبکی رحمہ کو اجتہاد سے کون سی چیز روکتی تھی، حالانکہ ان کو پورے طور پر آلاتِ اجتہاد حاصل تھے تو پھر وہ مقلد کیوں بنتے تھے (ابو زرعہؒ کہتے ہیں) مجھ کو اپنے استاد بلقینیؒ کے متعلق بھی یہی سوال درپیش تھا مگر حجاب کی وجہ سے میں نے ان کے سامنے ان کا نام نہیں لیا۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا کہ جو جواب وہ سبکی کی بابت دیں گے وہی میں ان کی نسبت بھی خیال کر لوں گا۔ لیکن امام بلقینی میرے سوال پر چپ رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا میری رائے میں اس کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یہ صرف اُن مناصب کی وجہ سے تھا جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کے لیے مخصوص تھے۔ اگر کبھی وہ ان دائروں سے نکلتے اور خود اجتہاد کا نام لیتے تو ان مناصب میں سے ان کو کچھ نہ مل سکتا۔ لوگ ان سے فتوے لینے سے بھی رک جاتے اور الٹے وہی بدعتی ٹھہرائے جاتے۔ میری اس وضاحت پر (میرے استاذ) امام بلقینیؒ مسکرائے اور میری موافقت کی"۔

(الانصاف مع ترجمہ اردو کشاف ص ۳۳، ۳۴ مطبع مجتبائی دہلی)

(۴) بعض اوقات خلفاء وقت نے حکومت کی پشت پناہی کی بناء پر تقلیدی مذہب کی گرفت

اتنی سخت ہوتی کہ بعض لوگوں کو اس کے خلاف کسی رائے کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی، اور جو تقلیدی مذہب سے اعراض کرکے براہ راست قرآن وحدیث کی دعوت دیتے، انہیں ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات طبقات وتراجم اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں جن کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس ایذاء وتشدد سے بچنے کے لیے بھی بعض لوگ بعض دفعہ کسی امام کی طرف اپنا انتساب کرلیتے تھے حالانکہ وہ ان کے مقلد نہ ہوتے تھے نہ وہ تقلید کو درست ہی سمجھتے تھے۔ امام شوکانی ؒ لکھتے ہیں:۔

"ہم کسی مجتہد کو نہیں جانتے کہ اس نے مقلدین کے فعل کو جنہوں نے شریعت کے کئی حصے بنا لیے، جائز رکھا ہو بلکہ اکابر علماء یا تو منع کرتے رہے یا ڈر کے مارے بخوف ضرر یا فوت نفع کے چپ رہے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی عالم اعلان کے ساتھ ممالک اسلامیہ میں سے کسی شہر میں کہتا کہ یہ تقلید بدعت ہے اور اس پر قائم رہنا جائز نہیں، تو اگر کل نہیں تو اکثر تو ضرور اس کی اہانت کے درپے اور اس کو اس کے مال وبدن اور آبرو میں نقصان پہنچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے جو اس سے ادنیٰ درجے کے آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں اور ایسا بھی عجیب ہوتا کہ وہ مقلدین اور ان کے مددگار سلاطین اور حکام کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ جاتا اور نہ جان کی امان ہی مشکل تھی) اور اسی سبب سے یہ بدعت تمام بلاد اسلامیہ پر چھا گئی اور اس نے ہر فرد مسلم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پس جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ دین ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، نہ معروف کو وہ معروف جانتے ہیں نہ منکر کو منکر۔ اور یہی حال تقلیدی علم رکھنے والے علماء کا ہے کہ یہ بھی جاہلوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی قبیح تر ہیں کیونکہ انہیں بدعت تقلید پہ اصرار ہوتا ہے اور وہ اس کو جہلاء کی نظر میں اچھا بنا کر دکھاتے ہیں اور علمائے

محققین اور عارفین کتاب وسنت کی تحقیر کرتے ہیں، ان پر تہمت لگاتے ہیں اور انہیں مُبتدع ہونے اور مخالفت وتنقیصِ ائمہ کا ملزم گردانتے ہیں۔ چنانچہ حال و ماضی کے حالات سے باخبر ہر شخص اس بات کو جانتا ہے اور ہر شخص مطالعۂ کتبِ تاریخ اور اپنے زمانے کے مشاہدات میں ان کا عکس دیکھ سکتا ہے۔

علمائے محققین ومجتہدین اکثر لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے زاوِیہ خمول میں رہے (کیونکہ) جب کوئی علمائے مجتہدین میں سے مقلدین کے معتقدات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو علمائے مقلدین جاہلانہ طریقہ سے اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ضررِ بدنی اور مالی کی قدرت پاتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ تو ذرا نظر کرو کون ہے (جو ایسی حالت میں) اس بدعت کو روکنے کے لیے کھڑا ہو۔ جب کہ ہر شخص کو (طبعی طور پر) دنیا بھلی لگتی ہے اور حُبِ مال وجاہ کی طرف (عموماً) دل مائل ہیں۔ تو اے منصف نظر! انصاف سے دیکھ کر فیصلہ کر۔ کہ ان حالات میں ان علمائے اجتہاد کا سکوت بدعتِ تقلید سے انکار پر کیا موافقت پہ دلالت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ سکوت خوف سے ہے نہ کہ رضامندی سے۔

مگر اس پر بھی یہ لوگ اللہ کے عہدِ اظہارِ حق کو کسی نہ کسی طور سے پورا کرتے تھے۔ کسی نے اپنی تصنیف میں صراحۃً لکھ دیا۔ کسی نے اشارۃً لکھ دیا، کسی نے اپنی تحریر کو چھپا کر رکھ دیا کہ بعد موت کے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ ادفویؒ نے اپنے استاد امام ابن دقیق العید کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا اور اس پر کچھ لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ جب انتقال کر گئے تو لوگوں نے وہ پرچہ نکال کر دیکھا تو اس میں مطلقاً تقلید کی حرمت لکھی تھی۔ اور بعض اپنے معتمد لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور طبقۃً بعد طبقۃٍ یہ

نصیحت متوارث چلی آتی تھی اور کامل لوگ اپنے خاص خاص، واقفوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ گو یہ بات اہل تقلید سے پوشیدہ رہی مگر اوروں سے پوشیدہ نہیں۔ اور ہم اپنے زمانے میں بہت سے مشائخ کو دیکھتے ہیں جو علوم اجتہاد سے بہرہ ور ہیں کہ کوئی ان میں سے تقلید کے درست ہونے کا قائل نہیں اور بعض نے تو صاف صاف تقلید کے بے بنیاد ہونے کو ظاہر کر دیا اور کتنے ہی ان مسائل میں اختلاف کا اظہار کیا جن کے مقلدین معتقد ہیں۔ نتیجۃً معاصرین نے ان کے ساتھ جھگڑے کیے اور ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں، جن سے ان کے اجر ثواب میں مزید اضافہ ہوا ہے" (ملخصاً)

(القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید ص ۱۸۔ ۲۲ طبع مصر)

اہل حدیث ہر دور میں رہے ہیں

الغرض تقلید و بدعت سے گریزاں محدثین (اہل حدیث) کی جماعت حقّہ ہر دور میں رہی ہے بلکہ کچھ اوپر دوسری صدی (تبع تابعین کے اختتام دور تک) تو سب مسلمان، عوام اور علماء، اہل حدیث نقطۂ نظر ہی کے حامل تھے اور وہ کسی کے مقلد نہ تھے اور تقلید و بدعت کی برائیاں پیدا ہونے کے بعد بھی یہ افراد خال خال ہی نہیں ملتے بلکہ اچھا خاصا ذہن ہر دور میں ایسا رہا ہے اور اگر کسی علاقے میں کبھی ایک شخص بھی مسلک اہل حدیث کا حامل رہا ہے تو وہ

ہر کجا کہ می نگری ابجمنے ساختہ اند

کا مصداق رہا ہے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذلك

البتہ یہ اعتراف ضرور ہے کہ اہلحدیث کے مقابلے میں مقلدین و مبتدعین کی تعداد دورِ خیر القرون کے بعد۔ زیادہ ہوتی گئی اور آج تک اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اگر تقلید و بدعت کے پرستاروں کی کثرتِ تعداد پہ تبصرہ نگار کو فخر و ناز ہے تو ہم انہیں اس فخر و ناز سے روک نہیں سکتے تاہم ہم انکے اس فخر و ناز میں شریک ہو سکتے ہیں نہ اس کثرتِ تعداد کو صداقت و

حقانیت کی دلیل ہی تسلیم کر سکتے ہیں۔ لیکن قلتِ تعداد کے باوجود ہمارا تسلسل ووجود الحمدللہ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق ہر دور میں رہا ہے اور حدیثِ رسول کی اشاعت و حفاظت اور تقلید و بدعت سے نبرد آزمائی ہمارا خاص مشن ۔

جماعتی وجود سے مراد اگر موجودہ مغربی انداز کی تنظیم و جماعت سازی ہے تو واقعی محدثین کی جماعت کا پہلے ایسا تنظیمی ڈھانچہ نہیں تھا اور اگر اس سے مراد ایسا جماعتی وجود ہے جو کسی ایک شخصیت کی عقیدت و مرجعیّت کی وجہ سے معرضِ وجود میں آتا ہے جیسے مقلدین کے چار گروہ چار شخصیتوں کی بنا پر قائم ہوئے تو اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم ایسے جماعتی وجود سے بھی گریزاں رہے ہیں۔ وجہ اس کی بھی ظاہر ہے کہ شخصی تعلق و عقیدت اہلحدیث کے مزاج و مقصد کے یکسر خلاف ہے۔ ان کا تو وجود ہی اسی قسم کی شخصی عقیدت و عصبیت اور ذہنی مرجعیّت کے خلاف نبرد آزمائی کا مرہونِ منت رہا ہے۔ ان کے نزدیک تو مرجعیت کے لائق صرف ایک ہی ذات رہی ہے اور وہ ذات ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ذاتِ رسالت ﷺ کے مقابلے میں جس کسی بھی شخصیت کا چراغ جلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہل حدیث چراغِ مصطفوی لے کر اس شرارِ تقلید سے ستیزہ کار رہا ہے۔

ان دو قسم کی تنظیم بندی سے گریزاں رہنے کی بنا پر اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ جماعت اہلحدیث کا وجود ہی پہلے نہیں رہا ہے تو اس کی لاعلمی و جہالت قابلِ ماتم ہے، ہم اسے مشورہ دیں گے کہ وہ طبقات و تراجم اور تاریخ و سیر کی کتابوں کا بنظرِ غور مطالعہ کرے وہاں تقلید و حدیث کی معرکہ آرائیوں میں، بدعت و سنت کی کشاکش میں اور توحید و شرک کی آویزش میں اہل حدیث کا وجود بلکہ اس کا غیر فانی نقش ہر جگہ اور ہر دور میں اس طرح چمکتا دمکتا نظر آئیگا کہ اُس کے جلووں سے شاید اس کی نظریں ہی خیرہ ہو جائیں۔ بشرطیکہ نظر، نظر ہو۔ ورنہ بقول اقبال ؎

جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ سے تقلید کا ثبوت؟ تبصرہ نگار نے مسئلہ تقلید کو بھی اس مقام پر

چھیڑ دیا ہے حالانکہ فریقین اس مسئلے پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں، اگر وہ اس مسئلے کو نہ چھیڑتے تو بہتر تھا لیکن چونکہ وہ اسے چھیڑ بیٹھے ہیں، اس لیے اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا تاہم فی الحال تقلید کی تعریف، اس کی حقیقت اور دیگر تفصیلات سے قطع نظر کر کے تبصرہ نگار کے اس دعویٰ کی قلعی کھولنا چاہتے ہیں کہ :۔

"اس تقلید کا ثبوت صحابہ کرام رضؓ تابعینؒ و تبع تابعین سے ہے"

اس سلسلے میں تبصرہ نگار نے چھ سات مثالیں دی ہیں "تقلید کے ثبوت میں ان حضرات کے "دلائل" کا ان امثلہ سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

"دلیل" اوّل "حضرت عبداللہ بن مسعود خود فقیہہ ہونے کے باوجود کئی مسائل میں حضرت عمر رضؓ کی رائے پر اعتماد کرتے تھے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔"

سُبْحَانَ اللّٰہِ! "وجوب تقلید" پر کیا عمدہ دلیل ہے۔ محترم! ایک عالم و فقیہہ نے اگر اپنے سے بڑے عالم و فقیہہ سے کوئی مسئلہ دریافت کر لیا اور کئی مسائل میں اس پر اعتماد کیا تو اس میں تقلید والی کون سی بات ہوئی؟ اور اس کو مذموم بھی کون کہتا ہے۔ یہ تو ایک فطری چیز ہے اور ہر فن میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کوئی سا بھی فن لے لیجئے۔ ہر صاحب فن اپنے سے بڑے ماہر فن کی طرف رجوع بھی کرتا ہے، کئی چیزوں میں اس کی آرار کو اہمیت دیتا ہے اور اس پر اعتماد بھی کرتا ہے۔ اسی طرح مسائل دینیہ میں بھی کوئی شخص اگر ایسے عالم سے رجوع کرتا۔ اور اس کی رائے پر اعتماد کرتا ہے جس کو وہ علم میں اپنے سے فائق تر اور زیادہ راسخ سمجھتا ہے تو یہ ایک فطری امر ہے۔ جو نہ مذموم ہے نہ مروجہ تقلید سے اس کا کوئی تعلق ہی ہے۔

"دلیل" ثانی "حضرت عمر رضؓ نے حضرت عمار بن یاسر رضؓ اور عبداللہ رضؓ بن مسعود کو کوفے میں وزیر یا معلم بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کو لکھا کہ فاقتدوا بھما وقد أثرتکم (تبصرہ نگار نے اکثر تکم لکھا ہے، جو غلط ہے)۔

لعبد اللہ علی نفسی" ان دونوں کی پیروی کرنا میں نے اپنی ذات پر عبداللہ کو بھیج کر تمہیں ترجیح دی ہے" یعنی اے تم اس کی تقلید و پیروی سے پورا فائدہ اٹھانا۔"

اس واقعہ سے بھی تقلیدِ مروج کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حضرت عمرؓ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی اگرچہ یہاں دارالخلافہ میں مجھے بھی ضرورت ہے لیکن اپنی ضرورت پر میں آپ لوگوں کی تعلیم و تربیت کو ترجیح دیتا ہوں اور تمہارے پاس ان کو بھیج رہا ہوں۔ تم ان سے پورا فائدہ اٹھانا اور ایک صحابیٔ رسولؐ کے ذریعے تمہیں تعلیم و تربیت کا جو موقع مل رہا ہے اسے ضائع نہ کرنا۔ اہلِ کوفہ کی دینی تعلیم و تربیت ہی کے لیے انہیں کوفہ بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :-

وسیرہ عمر الی الکوفۃ لیعلمھم امور دینھم وبعث عمارًا امیرًا وقال انھما من النجباء من اصحاب محمد فاقتدوا بھما (الاصابہ فی تمییز الصحابہ۔ ج ۲، ص ۳۶۹۔ طبع مصر)

"حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا تاکہ انہیں دینی امور کی تعلیم دیں اور حضرت عمارؓ کو گورنر بنا کر بھیجا۔ اور انہوں نے اہلِ کوفہ کو لکھا کہ یہ دونوں جلیل القدر اصحابِ رسولؐ میں سے ہیں۔ پس تم ان کی اقتدار کرنا۔"

فرمائیے! حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ بھیج کر اہلِ کوفہ کو یہ یاد دہانی کرا دی کہ دیکھو تمہارے پاس تمہاری دینی تعلیم و تربیت کے لیے دو جلیل القدر اصحابِ رسولؐ آرہے ہیں، ان کی سیرت و کردار کی تم پیروی کرنا، تو اس میں تقلید والی کون سی بات ہوئی؟ اس میں تو حضرت عمرؓ نے صرف دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے ایک اصحابِؓ رسولؐ کی اہمیت۔ دوسری سیرت و کردار کی تعمیر میں ان کے علم و اخلاق سے استفادہ کی اہمیت۔ جیسے کسی دور افتادہ علاقے میں کوئی بزرگ جائے تو کوئی اہلِ علاقہ کو یہ توجہ دلائے کہ تمہارے پاس فلاں بزرگ آرہے ہیں تم بھی ان سے استفادہ کرکے

ان کے سے طور طریق اختیار کرنا۔ اس سے آخر اُس تقلیدِ مروّج کا کیا تعلق ہے جس میں مقلدین کی اکثریت مبتلا ہے۔

پھر اگر اہلِ کوفہ کی سرشت اور وہاں کا پس منظر سامنے رکھا جائے تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ اہلِ کوفہ طبعاً شورش پسند واقع ہوئے تھے وہاں ان کی تعلیم و تربیت اور انتظام و انصرام کیلئے جو بھی آدمی بھیجا جاتا، وہ اسے تنگ کر کے جلد ہی واپس جانے پر مجبور کر دیتے۔ حضرت عمرؓ کو پھر کوئی آدمی وہاں بھیجنا پڑتا۔ کتبِ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اہلِ کوفہ کے اس طرزِ عمل اور ان کی شکایات کی بناء پر بار بار تبدیلی سے بہت پریشان تھے، ممکن ہے اس وجہ سے بطورِ خاص حضرت عمرؓ نے انھیں ان کی اقتداء و اتباع کی تاکید کی ہو بہرحال اس واقعہ سے تقلید کا جواز اور وجوب کشید کرنا سراسر تحکّم اور دھاندلی ہے۔

"دلیلِ ثالث"

"حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ اس کے خلاف تھا، جب ابو موسیٰ کو اطلاع ہوئی (تو) فرمانے لگے جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے۔ مجھ سے مسئلے نہ پوچھا کرو۔"

اس میں بھی تقلیدِ شخصی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ پھر تبصرہ نگار نے یہ واقعہ غالباً اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے نقل فرمایا ہے۔ براہِ راست صحیح بخاری کی طرف انھوں نے رجوع نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے سائل کو جواب دے کر کہا کہ "عبداللہ بن مسعودؓ سے مزید دریافت کر لینا"، گویا حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خود بھی اپنے جواب کی صحت پر پورا یقین نہیں تھا۔ اس لیے سائل کو ایسے شخص کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کی، جس کو وہ اپنے سے زیادہ مسائلِ دینیہ کا عالم اور ماہر سمجھتے تھے۔ سو جب تقلیدِ شخصی کی بدعت رائج نہیں ہوئی تھی تو اس وقت لوگوں کا یہی معمول تھا کہ بلا تقلید اور بلا تعیین علماء سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے، ایک سے تسلی نہیں ہوتی تو کوئی کئی علماء سے پوچھتے رجیسا کہ جماعت اہلحدیث میں اب بھی یہ معمول ہے) اور اس وقت علماء کا بھی یہ حال تھا کہ کسی مسئلے میں اگر انہیں اپنی نارسائی کا احساس ہوتا تو وہ سائل کو اپنے سے زیادہ عالم اور افضل

کے پاس بھیج دیتے کہ ان سے جا کر معلوم کرو۔ اور اپنے سے زیادہ عالم اور ماہر کے پاس رجوع کرنے کا مشورہ ایک فطری امر بھی ہے اور عالم دین کا ایک فریضہ بھی۔ اسی فطرت اور فرض کے ماتحت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ کی طرف رجوع کرنے کا سائل کو مشورہ دیا۔ تقلید سے اس کا کیا تعلق؟

پھر صحیح بخاری میں یہ صراحت بھی ہے کہ جب وہ سائل حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ کے پاس حضرت ابو موسیٰ اشعریرضؓ کا فتویٰ لے کر گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا لقد ضللتُ اِذَنْ وما انا من المھتدین اَقْضِیْ فیھا بما قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۹۹۷)

"(میں نے بھی اگر اس فتویٰ کے مطابق فتویٰ دے دیا) تو میں تو گویا گمراہ ہو گیا، ہدایت یافتگان میں سے نہ رہا۔ میں اس بارے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔"

گویا ان کے نزدیک حضرت ابو موسیٰ اشعریرضؓ کا فتویٰ حدیثِ نبویؐ کے خلاف تھا اور وہ مسئلہ وراثت کا تھا جس میں عبور بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔ اور جب انہوں نے حدیثِ نبویؐ کے مطابق فیصلہ کر دیا اور وہ سائل حضرت ابن مسعودرضؓ کا فیصلہ لے کر دوبارہ حضرت ابو موسیٰ اشعریرضؓ کے پاس گیا تو مسائلِ دینیہ کے بارے میں انہیں ابن مسعودرضؓ پر پہلے ہی اپنے سے زیادہ اعتماد تھا، (جس کی وجہ سے انہوں نے خود ہی سائل کو اس طرف بھیجا بھی تھا) اور جب اپنی حدیث سے لاعلمی اور ابن مسعودؓ کے حفظِ حدیث اور مہارت کا مزید مشاہدہ ہو گیا تو ابن مسعودرضؓ پر ان کا اعتماد بھی فزوں تر ہو گیا۔ اس لیے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ "ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسئلہ نہ پوچھا کرو۔" تو اس سے اُس تقلید مروّج کا جواز کہاں سے نکل آیا، جس میں سرے سے حدیث کا کوئی حوالہ ہی نہیں ہوتا! اس سے تو صرف یہ بات ثابت ہوئی کہ مسئلہ اُس عالم سے دریافت کرنا چاہیئے جسے قرآن وحدیث پر عبور زیادہ ہو، اور علماء کو چاہیے کہ وہ دریافتِ مسائل میں اپنے سے زیادہ ماہر اور راسخ علماء کی طرف رجوع کرنے

کا مشورہ عوام کو دیں۔ اس سے زیادہ تو اس سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ ایک عالم کا دوسرے عالم سے مزید اطمینان اور تحقیق کے لیے مسئلے کا دریافت کرنا، اور صحیح مسئلہ معلوم ہونے پر اسے قبول کر لینا اور بحث سے رُک جانا، تقلید نہیں، فطرت اور انصاف کا تقاضا ہے۔ اور اسے تقلید کے اثبات میں پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے بریلوی حضرات اہلِ قبور سے استمداد و استعانت والے شرک کے جواز میں زندہ افراد کے تعاون و تناصر کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من ھٰذا الفھم السوء

"دلیلِ" رابع "اسود بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ ہم پر معلم اور حاکم بن کر آئے، ہم نے ایک مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے اپنی بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑے۔ حضرت معاذ رضؓ نے نصف مال کا بیٹی کے لیے اور نصف کا بہن کے لیے حکم فرمایا۔"

ہم حیران ہیں کہ اس واقعہ کے کون سے جزء اور کس لفظ سے تقلید کا اثبات ہوتا ہے؟ شیخ سعدی نے سچ کہا ہے۔ ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد | عیب و ہنرش نہفتہ باشد

"دلیلِ" خامس "حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کا دوسرے پر میعادی قرض ہے اور صاحب حق اس شرط پر کم کرتا ہے کہ وہ اسے وقت سے پہلے ادا کرے تو آپ نے اسے ناپسند کیا۔"

اس میں بھی "تقلید" والی کون سی بات ہوئی اگر استدلال واقعہ کے اس جزء سے ہے کہ سائل نے دلیل طلب نہیں کی۔ تب بھی "تقلید" سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اگر کسی عالم سے مسئلہ پوچھا جائے اور اس کے جواب پر اطمینان ہو جائے تو وہاں بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی نہ دلیل طلب کرنے کی حاجت۔ اسے "تقلید" نہیں کہتے تقلید میں تو مطلقاً دلیل طلب کرنا ممنوع اور حرام ہے جبکہ عہدِ صحابہؓ میں یہ معمول تھا کہ اگر انہیں شک ہوتا تو فوراً وہ دلیل کا مطالبہ کرتے تھے اور بعض دفعہ مسئلے کی تحقیق میں کئی کئی لوگوں کی طرف رجوع کرتے، جیسا کہ کتب حدیث میں ایسے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

یہ پانچ "دلیلیں" بیان کرنے کے بعد تبصرہ نگار لکھتے ہیں:۔

"یہ پانچوں مثالیں صحابۂ کرام رضہ کے عمل سے تقلیدِ شخصی، بلا دلیل ایک شخص پر اعتبار کر کے اس کی بات مان لینا کی ہیں۔ ایک صحابی رضہ نہ دلیل بیان کرتا ہے نہ دوسرا دلیل اس سے مانگتا ہے۔"

تبصرہ نگار کا یہ دعویٰ۔ ؏

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کا مصداق ہیں، ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ ان میں سے کسی واقعہ سے بھی تقلیدِ شخصی کا اثبات تو کجا، تقلید سے ان کا دُور کا تعلق بھی نہیں۔ اس قسم کے واقعات سے تقلیدِ شخصی کا اثبات نہ صرف جسارت بے جا، ہٹ دھرمی اور تحکم و دھاندلی ہے بلکہ نعوذ باللہ صحابۂ کرام رضہ کو بھی "بدعتی" بنانے کے مترادف ہے کہ وہ بھی بدعتِ تقلید کے مرتکب تھے۔ علاوہ ازیں یہ "دلائل" اہلِ تقلید کی جہالت کے بھی غمّاز ہیں، ان سے اہلِ تقلید کی واماندگی اور مبلغ علم کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ اگر عہدِ صحابہ میں "تقلید" کا وجود ہوتا تو اس وقت تمام لوگ صرف ایک یا دو صحابۂ کو ہر مسئلے کے لیے منتخب کر لیتے اور ہر معاملے میں صرف انہی کی رائے قبول کرتے لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اپنی اپنی جگہ ہر صحابی اپنی معلومات اور فہم کے مطابق فتویٰ دیتا رہا اور لوگ بھی بلا تعیین ہر ایک سے مسئلہ پوچھتے تھے، کسی کی تعیین و تقلید نہیں تھی۔

پھر یہ دعویٰ بھی احادیث سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ وہ نہ دلیل بیان کرتے تھے نہ دوسرا ان سے دلیل مانگتا تھا۔ حالانکہ خود عبداللہ بن مسعود رضہ کے اُس واقعے میں موجود ہے جسے تبصرہ نگار نے نقل کیا ہے، جس پر ہم تنقید کر چکے ہیں، کہ انہوں نے حدیثِ نبوی ص کا بطورِ خاص حوالہ دیا۔ یہ دلیل بیان کرنا نہیں تو اسے اور کیا کہیں گے؟۔

حاصل یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضہ کے طرزِ عمل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلیل کے بغیر کوئی فتویٰ ہی نہیں دیتے تھے، اور جس مسئلے میں ان کے سامنے کوئی حدیث نہ ہوتی تو وہ اس مسئلے میں فتویٰ

دینے سے تامل کرتے تھے یا پھر ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ اس مسئلے میں کوئی حدیثِ رسولؐ کسی کو یاد ہے؟ لیکن اس کے بغیر ہی جب لوگ مجبور کر دیتے تو وہاں صراحۃً کہہ دیتے کہ اس مسئلے میں ہمیں حدیثِ رسولؐ یاد نہیں ہے اس لیے اجتہاد سے فتویٰ دے رہے ہیں۔ مثلاً

- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ان سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا انہیں اس سلسلے میں کوئی حدیثِ رسولؐ یاد نہیں تھی۔ اس لیے تامل کرتے رہے۔ جب لوگ متعدد مرتبہ آئے تو بالآخر انہوں نے کہا۔

اقول فیھا برأیی فان یك صوابا فمن اللہ وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان (رواہ احمد واھل السنن وصححہ الترمذی

(تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۸۴)

"میں اپنے فہم سے تمہیں مسئلہ بتا دیتا ہوں، اگر درست ہوا تو اللہ کی توفیق سے، اور غلط ہوا تو سمجھنا کہ میرے قصورِ فہم اور شیطان کی دخل اندازی سے ہوا۔"

لیکن جب انہوں نے مسئلہ بیان کیا تو ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کا مسئلہ بالکل صحیح ہے، مجھے یاد آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سن کر انتہائی خوش ہوئے۔

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ان کے پاس ایک دادی آئی اور اپنے حصۂ وراثت کے متعلق سوال کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا "تیرے بارے میں کتاب اللہ میں کچھ نہیں ہے اور اس بارے میں مجھے سنتِ رسولؐ کا بھی علم نہیں ہے، فی الحال تو جا میں لوگوں سے دریافت کر کے بتاؤں گا۔" آپؓ نے صحابۂ کرام سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ "میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "اس وقت حضورؐ کی مجلس میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی تھا؟" یعنی اس حدیث اور واقعہ کا کوئی اور بھی گواہ ہے! انہوں نے محمد بن مسلمہؓ کے متعلق بتلایا کہ وہ بھی اس وقت موجود تھے، چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے بھی

آکر اس واقعہ کی گواہی دی۔ تب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے دادی کو چھٹا حصہ دینے کا فیصلہ جاری کر دیا۔ (ابوداؤد۔ کتاب الفرائض، باب فی الجدۃ)

ایسے ہی حضرت عمر رضؓ کے سامنے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے یہ حدیث بیان کی کہ "تم کسی کے گھر جاؤ۔ تو تین مرتبہ اندر آنے کی اجازت مانگو۔ اگر اندر سے کوئی جواب آئے تو واپس چلے آؤ" اس مسئلے کا حضرت عمر رضؓ کو علم نہیں تھا، جب انہوں نے یہ حدیث سنی تو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضؓ سے کہا کہ "اس بات پر کوئی اور گواہ بھی پیش کرو کہ یہ واقعی حدیثِ رسولؐ ہے" چنانچہ انہوں نے حضرت ابو سعید خدری رضؓ کو پیش کیا جنہوں نے فرمایا کہ یہ مسئلہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت اُبی بن کعب کا بھی اسی قسم کا بیان ہے۔ روایا میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے اپنی اس لاعلمی پر اظہارِ افسوس کیا اور حضرت ابو موسیٰ سے معذرت کی کہ "میں تمہیں متّہم نہیں کرتا لیکن حدیثِ رسولؐ کے معاملے میں سخت ضبط و احتیاط کی ضرورت ہے"۔ (سنن ابوداؤد۔ کتاب الادب، باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان)

حضرت عمر رضؓ ہی کا ایک اور واقعہ ہے کہ ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا گیا کہ کوئی شخص ایسی جگہ ہو، جہاں دُور دُور پانی نہ ہو اور وہاں وہ مجنبی ہو جائے، تو وہ کیا کرے اور کس طرح پاکیزگی حاصل کر کے نماز پڑھے؟ حضرت عمر رضؓ نے کہا "میں تو ایسے موقعہ پر یہی کروں گا کہ جب تک پانی نہیں ملے گا۔ نماز نہیں پڑھوں گا، چاہے مہینہ گزر جائے"۔ حالانکہ حدیثِ رسول میں مسئلے کی وضاحت موجود تھی کہ ایسی صورت میں جنبی بجائے غسل کے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ حضورؐ کے دور میں ایسا حادثہ خود حضرت عمر رضؓ اور حضرت عمار رضؓ کو پیش آچکا تھا اور اسی وقت ان دونوں کے سامنے حضورؐ نے اس مسئلے کی وضاحت بھی کی تھی۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کو ایسا ذہول ہوا کہ خود اپنے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ اور اس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت ان کے ذہن سے بالکل نکل گئی، بہرحال حضرت عمر رضؓ نے سائل کے جواب میں جب اپنی مذکورہ رائے کا اظہار کیا۔ تو حضرت عمار رضؓ نے انہیں ٹوکا اور اپنا واقعہ اور حدیثِ رسولؐ بیان کی لیکن حضرت عمر رضؓ کے لوحِ حافظہ پہ یہ واقعہ پھر بھی نہ ابھر سکا۔ (سنن ابوداؤد۔ باب التیمّم)

ان واقعات سے یہ بات کاشمس والنہار واضح ہو جاتی ہے کہ عہدِ صحابہ میں مسئلے بیان کرتے وقت لوگ دلیل بھی بیان کرتے تھے اور لوگ بھی مسئلہ بیان کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ کرتے تھے، کتبِ حدیث میں اس انداز کے واقعات بہت بڑی تعداد میں ملتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق و اجتہاد اور فکر و نظر کا یہ ذوق دورِ خیر القرون میں عام تھا اور ان اصحابِ خیر القرون (صحابہ رض، تابعینؒ و تبع تابعین) میں اس تقلیدی جہالت کا کوئی نام و نشان نہ تھا جس میں تبصرہ نگار اور ان جیسے دوسرے مقلدین الحکو (نعوذ باللہ) ملوث کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

چھٹی "دلیل" اس کے بعد تبصرہ نگار نے عہدِ صحابہ سے دو مثالیں اور پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ:۔

"حضرت جابر رض بن زید رض اور عکرمہ رض نیم پختہ کھجور کا سودا ناپسند کرتے تھے اور اس فتویٰ کو حضرت عبداللہ بن عباس رض (بطورِ تقلید) لیتے تھے۔"

اوّل تو یہ واقعہ محوّلہ مقام پر تلاش کے باوجود ہمیں نہیں مل سکا، غالباً نقل در نقل سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں اور چند سطروں کے بعد مزید وضاحت آ رہی ہے کہ تبصرہ نگار نے واقعات کو جوں کا توں نقل نہیں کیا بلکہ ذہنی تحفظ کے تحت انہیں نقل کیا ہے کیونکہ اس کے بغیر انہیں اپنے مدعاء کے ثبوت میں "دلائل" کا مہیا کرنا اور بھی مشکل ہوتا۔ ثانیاً حضرت عبداللہ بن عباس رض کے متعلق اس میں جو کہا گیا ہے کہ وہ

"اس فتویٰ کو (بطورِ تقلید) لیتے تھے۔"

اس کا مفہوم کیا ہے؟ اصل الفاظ چونکہ ہمارے سامنے نہیں، اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ تاہم ایک بات واضح ہے کہ (بطورِ تقلید) کے الفاظ خود تبصرہ نگار نے بھی بریکٹ میں دیئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ شدہ الفاظ ہیں اور ظاہر ہے کہ عہدِ صحابہ رض و تابعینؒ میں تقلید کا کوئی وجود نہ تھا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رض اگر اس مسئلے میں حضرت جابر بن زید رض کے ہمنوا بھی ہوں تب بھی اسے تقلید تو نہیں کہا جائے گا، اس طرح تو ہر دو عالم کی کسی ایک مسئلے میں موافقت

"تقلید" بن جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی موافقت کو تقلید کہنا لغۃً عرفاً اور اصطلاحاً کسی طرح بھی جائز ہے؟

ساتویں "دلیل" تقلید کے ثبوت میں تبصرہ نگار نے جو ساتویں "دلیل" پیش کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:-

"اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے (یہ مسئلہ پوچھا) کہ جو عورت طوافِ زیارت کرنے کے بعد حائضہ ہوجائے وہ طوافِ وداع ترک کرکے جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جاسکتی ہے۔ اہلِ مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پہ عمل نہیں کریں گے اور زید بن ثابت کے قول پہ پابند رہیں گے"۔

اس واقعے کی پوری تفصیلات اگر سامنے رکھی جائیں تو اس سے تقلید کا اثبات تو کجا صریحاً اس سے تقلید کا رد ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں کہ اگر عورت کو طوافِ افاضہ (زیارت) کے بعد ایامِ ماہواری آجائیں تو وہ طوافِ وداع کے بغیر واپس آسکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جن صحابہؓ کو نہیں پہنچی تھی، وہ اس بات کے قائل تھے کہ ایسی عورت کو وہاں ٹھہر جانا چاہیئے اور ایامِ ماہواری گذارنے کے بعد طوافِ وداع کرکے ہی واپس آئے۔ اس مسئلے میں حضرت زید بن ثابتؓ ہی کی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی حدیثِ رسول ؐ سے لاعلمی کی وجہ سے اسی مسلک کے قائل تھے۔ لیکن روایات میں آتا ہے کہ جب ان دونوں حضرات کو حضرت عائشہؓ کی زبانی حدیثِ نبویؐ کا علم ہوگیا تو دونوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے رجوع کی روایت تو صحیح بخاری کے اسی مقام پہ موجود ہے جہاں سے تبصرہ نگار نے مذکورہ روایت نقل کی ہے (یعنی صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۳۴، باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت) اور حضرت زید بن ثابتؓ کے رجوع کی روایت خود علامہ عینی حنفیؒ نے عمدۃ القاری میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے

نقل کی ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دی کہ اس مسئلے میں میرے اور تمہارے درمیان جو اختلاف تھا، وہ اب ختم ہو گیا ہے کیونکہ تمہاری رائے حدیث کے مطابق ہے جس کا علم مجھے اب ہوا ہے (پہلے اس حدیث کا علم مجھے نہیں تھا) ثم ارسل زید بعد ذلك الی ابن عباس رضی اللہ عنہما انی وجدت الذی قلت کما قلت (عمدۃ القاری۔ الجزء العاشر، ص ۹۷، طبع جدید)

باقی رہی بات اہل مدینہ کی کہ "ہم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول پر پابند رہیں گے" تو اولاً یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ لا نأخذ بقولك وندع قول زید۔ جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "ہم زید رضی اللہ عنہ کا قول ترک کر کے آپ کا (یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا) قول نہیں لیں گے۔" "پابند رہیں گے" ترجمہ کسی طور درست نہیں یہ تقلیدی ذہن کا نتیجہ ہے۔

ثانیاً اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دی تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اہل مدینہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے، جیسا کہ تبصرہ نگار نے یہ تاثر دیا ہے۔ بلکہ یہ اعتماد کی بات تھی، انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت زید رضی اللہ عنہ پر اعتماد زیادہ تھا۔ اگر اہل مدینہ بھی ہمارے ان مقلدین کی طرح ان کے اندھے مقلد ہوتے تو وہ اس مسئلے کی نہ مزید تحقیق کرتے نہ کسی صورت میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کا قول ترک کرتے۔ حالانکہ صحیح بخاری کی اسی روایت میں آتا ہے کہ جب اہل مدینہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنے سے انکار کر دیا یاد رہے یہ واقعہ ایام حج کا ہے جب کہ اہل مدینہ (مدینہ سے باہر مقامات حج پر ارکان حج ادا کرنے میں مصروف تھے) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم میری بات نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن جب تم حج سے فارغ ہو کر واپس مدینہ جاؤ تو وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مسئلے کے متعلق ضرور تحقیق کرنا۔ چنانچہ انہوں نے آکر اس مسئلے کی تحقیق کی۔ روایت کے الفاظ ہیں۔ فکان فیمن سألوا أم سلیم "ان لوگوں نے جن جن حضرات سے آکر اس مسئلے کی بابت پوچھا، ان میں ام المومنین حضرت ام سلیم بھی تھیں،" اور حضرت ام سلیم

نے حضرت صفیہؓ کا وہ واقعہ بیان کیا جو حضورؐ کے ساتھ ایام حج میں پیش آیا تھا جس میں آپؐ نے حضرت ام المومنین صفیہؓ کو (بوجہ ماہواری) طواف وداع کے بغیر لوٹنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ یعنی انہوں نے کئی لوگوں سے مسئلہ دریافت کیا، جن میں حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق سائلین کو حدیث رسولؐ سنادی۔ اس کے بعد ان حضرات نے بھی حضرت زید بن ثابتؓ کی طرح ان کا قول ترک کر کے نہ صرف ابن عباسؓ کا قول قبول کر لیا۔ بلکہ ابن عباسؓ کو جا کر اطلاع دی کہ آپ کا مسئلہ حدیث کے مطابق ہے اور وہ حدیث ہمیں مل گئی ہے۔ فرجعوا الی ابن عباس فقالوا وجدنا الحدیث کما حدثتنا۔ (عمدۃ القاری باب مذکور) فرمائیے یہ واقعہ تحقیق و جستجو اور تلاش سنت کا شہکار ہے یا بدعتِ تقلید کا (نعوذ باللہ) اس سے ثبوت مہیا ہوتا ہے؟ ؎

میرے دل کو دیکھ کر، میری وفا کو دیکھ کر　　بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

آپ لوگوں کی یہ جسارتیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ایک "بدعت" کو صحیح ثابت کرنے کے لیے واقعاتِ حدیث میں آپ لوگ کس دیدہ دلیری سے کتر بیونت کرتے ہیں؟ کہیں آپ میں بھی آپ کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا اثر تو نہیں آگیا جنھوں نے تقلید ہی کے ثبوت کے جوش میں اپنی طرف سے ایک آیت ہی گھڑ ڈالی تھی (دیکھئے ایضاح الادلۃ)

بہرحال عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ میں اس بدعتِ تقلید کا کوئی وجود نہ تھا، جس کی وضاحت ہم پہلے بھی کر گئے ہیں۔

اہل تقلید کو امام ابن القیمؒ کا چیلنج

عہدِ صحابہؓ میں اس "بدعت" کی تلاش کے جواب میں یہاں ابن القیمؒ کا چیلنج بھی سن لینا چاہیے جو انہوں نے مقلدین کو دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فانا نعلم بالضرورۃ انہ لم یکن فی عصر الصحابۃ رجل واحد

اتخذ رجلاً منهم يقلده في جميع أقواله فلم يسقط منها شيئاً، وأسقط أقوال غيره، فلم يأخذ منها شيئاً، ونعلم بالضرورة أن هذا لم يكن في عصر التابعين وتابعي التابعين فليكذبنا المقلدون برجل واحد سلك سبيلهم الوخيمة في قرون الفضيلة على لسان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وإنما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذموم على لسان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (اعلام الموقعین ۔ ج ۲، ص ۱۹۱ طبع جدید)

" یعنی ہمیں قطعی معلوم ہے کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو کسی عالم کی تمام باتیں قبول کرے اور کسی دوسرے عالم کی کوئی بات نہ مانے۔ حضراتِ مقلدین جھٹلانے کے لیے قرونِ خیر میں سے ایک آدمی ہی بتا دیں جو اس کمزور راہ پر چلا ہو۔ بلکہ یہ بدعتِ تقلید چوتھے قرن میں (یعنی صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین کے قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کے بعد) پیدا ہوئی جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔"

شاہ ولی اللہ اور تقلید

اس کے بعد تبصرہ نگار نے ائمہ اربعہ میں تقلید شخصی کے لزوم اور انحصار کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ دیا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تبصرہ نگار نے جس طرح عہدِ صحابہؓ کے سات واقعات بغیر سوچے سمجھے کسی کتاب سے نقل کر دیئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ بھی ایسے ہی بغیر دیکھے نقل کر دیا ہے۔ ورنہ اگر حجۃ اللہ البالغہ کا یہ مقام اور مبحث خود ان کی نظرِ گرامی سے گزرتا تو وہ یہ حوالہ کبھی نہ دیتے کیونکہ اس سے ان کی تائید نہیں تردید ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رح نے حجۃ اللہ البالغۃ کے اس مقام پر بھی اس تقلید کی سخت مذمت کی ہے جس میں مقلدین بالعموم مبتلا ہیں کہ صراحتہً حدیثِ رسولؐ معلوم ہو جانے کے بعد بھی قولِ امام کو ترک نہیں کرتے انہوں نے ایسی تقلید کا سبب نفاقِ خفی اور حمق جلی بتلایا ہے اور اس مقام پر انہوں نے عزالدین بن عبدالسلام کا وہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں مقلدین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے (جو ہم پہلے ابتداء میں نقل کر چکے ہیں) اس قول میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقلدین نے اپنے اماموں کو نبیٔ مرسل کا درجہ دے رکھا ہے جو حق و صواب سے دُور ہے اور جسے کوئی صاحب دانش پسند نہیں کرتا بلکہ اس تقلید کو انہوں نے حضرت عدی بن حاتم کی روایت (جو پہلے گزر چکی ہے) کا مصداق قرار دے کر اربابا من دون اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

اور جس تقلید کو اس مقام پر انہوں نے جائز کہا ہے، وہ تقلید نہیں بلکہ دریافتِ مسائل کا وہ صحیح طریقہ ہے جو صحابہؓ و تابعینؒ کے دورِ خیر القرون میں مُروّج تھا اور جس پر آج اہلحدیث عامل ہیں اسے اگر تقلید کہنے پر ہی اصرار ہو تو بیشک تقلید کہہ کر دل خوش کر لیجئے لیکن اِس کا اُس تقلید سے کوئی واسطہ نہیں جسے آپ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ طریقۂ سلف یہی ہے کہ بلا تعیین علماء پر اعتماد کر کے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کیا جائے لیکن اگر کسی موقع پر معلوم ہو جائے کہ ان کا قول یا اجتہاد حدیثِ رسولؐ کے خلاف ہے تو وہاں فوراً اس عالم کے قول کو ترک کر کے حدیثِ رسولؐ پر عمل کرے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا اور حدیثِ صحیح کے مقابلے میں علماء و ائمہ کے ظن و تخمین کی پیروی کرے گا تو اس سے بڑا ظالم کوئی نہ ہوگا اور ایسا شخص قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے کیا عذر پیش کرے گا۔"

یہ ہے خلاصہ شاہ صاحب کے اُس مبحث کا جو انہوں نے اس مقام پر تقلید کے مسئلے میں لکھا ہے۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر اصل عربی عبارتیں نقل نہیں کی ہیں (دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۱۵۴-۱۵۶۔ طبع منیریہ مصر)

حجۃ اللہ البالغۃ کے علاوہ شاہ صاحب نے اس مسئلے کی اور بھی کئی مقامات پر وضاحت کی

ہے۔ تفہیمات میں عقائد کے بارے میں کتاب وسنت، قدمائے اہل سنت اور سلف کے منہاج کی پابندی کی وصیت کرتے ہوئے فروعات کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

" و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میانِ فقہ وحدیث کردن ودائماً تفریعاتِ فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن وآنچہ موافق باشد حیز قبول آوردن و اِلّا کالائے بد بریش خاوند دادن۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا، حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہا، کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن وبدایشاں التفات نہ کردن و قربتِ خدا جستن بدوری ایناں (تفہیمات طبع اوّل۔ ج ۲، ص ۲۴۰)

" فروع میں علمائے محدثین کی پیروی کرنا جو حدیث و فقہ کے جامع ہیں۔ مسائل فقہیہ کو کتاب وسنت پر پیش کرنا، جو ان کے موافق ہوں انہیں قبول کرنا اور مخالف کو پھینک دینا۔ اُمّت کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ہر وقت اجتہادی مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرتی رہے۔ اور وہ خشک فقہاء جنہوں نے تقلید کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور سُنّت کی تلاش وجستجو کو ترک کیا ہوا ہے، اُن کی باتیں سننا نہ ان کی طرف نظرِ التفات کرنا، ان کے بغیر ہی حق تعالیٰ کے قُرب کی جستجو کرنا "

التفہیمات الالٰہیہ جلد اول میں فرماتے ہیں :۔

" میں اللہ کے لیے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں (اشھد للہ باللہ انہ کفر باللہ) کہ امت میں سے کسی آدمی کے متعلق، جس سے خطا وصواب دونوں باتوں کا احتمال ہے، یہ اعتقاد رکھنا، کہ اللہ نے اس کی اطاعت مجھ پر فرض کر دی ہے اور میرے لیے صرف وہی چیز واجب ہے جسے وہ واجب قرار

دینے کفر ہے کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے سے موجود ہے۔
لوگوں نے علماء کی تقلید پر صرف اس لیے اتفاق کیا کہ وہ درحقیقت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت کے راوی ہیں، انہیں علم ہے، ہمیں نہیں اور
علم ان کا مشغلہ ہے جب کہ ہمارا مشغلہ علم نہیں۔ لیکن اگر حدیث صحیح ہو، محدثین
اس کی صحت کے شاہد ہوں، لوگوں نے اس پہ عمل کیا ہو اور معاملہ واضح ہو
چکا ہو پھر اس حدیث پر صرف اس لیے عمل نہ کیا جائے کہ اس کے امام یا متبوع
نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا (تو)، یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔"
(التفہیمات الالٰہیہ ج ۱، ص ۲۱۱)

نیز فرماتے ہیں۔

ملأ اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا ہے کہ ابو حنیفہ رح اور شافعی رح
کے مذہب کو، جو امت میں مشہور ہیں، ان دونوں مذاہب کو یکجا کر دیا جائے
اور دونوں مذاہب کے فقہاء و علماء کی مرتبہ کتابوں کو حدیث نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم پر پیش کیا جائے، جو مسائل حدیث کے موافق ہوں، قبول کر لیے
جائیں اور جن کی اصل حدیث میں نہ ہو، انہیں ساقط کر دیا جائے۔ اس طرح
نقد و نظر کے بعد جن مسائل میں اتفاق ہو جائے، ان پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔
اگر اختلاف ہو تو وہاں دو رائیں تصور کر لی جائیں اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا
جائے۔" (تفہیمات، ج ۱، ص ۲۱۲)

الغرض اس انداز کی تصریحات انہوں نے بہ کرات و مرات کی ہیں جن سے صاف معلوم
ہوتا ہے کہ وہ تقلید کے صرف اس مفہوم کے قائل ہیں کہ اہل علم کتاب و سنت سے براہ راست
آگاہی رکھتے ہیں۔ عوام میں یہ استعداد نہیں، علمی مشاغل کی وجہ سے ان کی معلومات عوام سے
زیادہ ہیں۔ اس لیے عوام کا ان کے علم و معلومات پر اعتماد ناگزیر ہے لیکن جب صحیح حدیث

کا علم صحیح ذرائع سے پہنچ جائے تو علماء کے ساتھ تقلیدی وابستگی (بشرطیکہ اسے تقلید کہا جا سکے) کا تعلق ختم ہو جانا چاہیے اور حدیثِ صحیح کے ہوتے ہوئے کسی عالم کے لیے تعصب یا اس کی جماعت کے لیے تاویل کا دروازہ کھول دینا صریح گمراہی ہے۔ الحمد للہ اہلحدیث کی دعوت بھی یہی ہے اور اگر تقلید کے اس مفہوم کو اپنا لیا جائے اور مسائلِ فقہیہ کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے مطابق احادیثِ نبویہ پر پیش کر کے غلط و صحیح میں تفریق کر دی جائے تو ہمارا اور آپ کا سارا اختلاف ہی ختم ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحؒ کی اہانت کا بے سر و پا الزام

دیوبندی ناقد لکھتے ہیں :۔

"مؤلف نے اپنے ہم مشرب ساتھیوں کی طرح جگہ جگہ امام ابو حنیفہ رحؒ کا بھی نازیبا ذکر کیا ہے جن کی ثقاہت، تفقہ اور علم و فضل پر امت کا اجماع چلا آرہا ہے اور تین چوتھائی اُمتِ مسلمہ آپ کی فقہ کی پیروکار اور روئے زمین کے ہر خطے میں موجود ہے۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ "اختلافِ امت کا المیہ" کے مؤلف نے امام ابو حنیفہ رحؒ کے متعلق کونسا نازیبا ذکر کیا ہے۔ اگر تبصرہ نگار اس کی نشاندہی کر دیتے تو بات واضح ہو جاتی، البتہ تبصرہ نگار نے جو یہ کہا ہے کہ "اپنے ہم مشرب ساتھیوں کی طرح امام ابو حنیفہ رحؒ کا نازیبا ذکر کیا ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کہی بلکہ غالباً اہلحدیث کے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہو گی کہ امام صاحب تک کئی حدیثیں نہیں پہنچ سکیں اور ان کے متعدد اجتہادات حدیث کے خلاف ہو گئے ہیں اسی لیے تبصرہ نگار نے تمام اہل حدیث کے متعلق یہ فتویٰ صادر کیا ہے حالانکہ کوئی بھی اہلحدیث ان کا نازیبا انداز سے ذکر نہیں کرتا البتہ ان کے اصل مقام کی وضاحت ضرور کرتے ہیں کہ وہ امام مجتہد تھے جن سے غلطیاں بھی صادر ہو سکتی ہیں اور ہوئی بھی ہیں، نبی معصوم نہ تھے کہ آپ کی ہر بات واجب الاتباع ہو لیکن اگر اس نقطۂ نظر کو "گستاخی" پر محمول کرنا صحیح ہو تو پھر بریلویوں کے اس فتویٰ کو بھی

صیح سمجھنا چاہیئے کہ اہلحدیث اور دیوبندی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ اور بزرگانِ دین کی توہین کرنے والے ہیں۔" دلیل ؟ دلیل وہی آپ والی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بریلویوں کی طرح آپ لوگ خدائی صفات سے (معاذاللہ) متصف نہیں مانتے اور ان کا اصل مقام واضح کرتے ہیں۔ اگر ہم امام ابوحنیفہ رہ کو پیغمبرِ مطاع اور نبیٔ معصوم نہ ماننے کی وجہ سے گستاخ اور ان کی اہانت کرنے والے ہیں تو محترم! آپ بھی بریلویوں کے نزدیک اولیاء و بزرگانِ دین کو خدائی صفات سے بہرہ ور اور متصرفِ کائنات نہ ماننے کی وجہ سے ان کے گستاخ اور ان کی اہانت کرنے والے ہیں، اگر بریلوی اس الزام میں صحیح ہیں تو پھر آپ کی الزام تراشی بھی صحیح سمجھی جا سکتی ہے۔

علمائے احناف اور تنقیصِ ائمہ

اب تنقیصِ ائمہ کی بحث چل نکلی ہے تو ہم علمائے دیوبند کے چند ملفوظات نقل کرتے ہیں، اس آئینے میں تبصرہ نگار اپنا چہرہ دیکھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ تنقیصِ ائمہ کا مرتکب کون ہے؟ اہل حدیث یا احناف ؟

سرخیل علمائے دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہیؒ امام المحدثین امام بخاریؒ کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"باقتضاء تعصبِ مذہبی امام بخاریؒ کو ہر گاہ اس فقرہ میں گنجائش طعن نہ ملی تو جزءِ قرأت میں لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں اس فقرہ کو سلیمان تیمی نے قتادہ سے سُنا یا نہیں سُنا۔" (ہدایت المعتدی ص ۳۴)

کیا امام بخاریؒ کی جلالتِ قدر، عُلوِ مرتبت اور تفقُّہ پر اُمّت کا اجماع نہیں ؟ کیا ان کی مرتب کردہ صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ تسلیم نہیں کیا جاتا ؟ کیا یہ اتنا بڑا اعزاز نہیں کہ کوئی "امام" اس شرف میں ان کا ہم پایہ نہیں ؟ لیکن آپ کے شیخ گنگوہیؒ انہیں نعوذ باللہ "متعصب" باور کرا رہے ہیں۔ کیا یہ امام بخاری رہ کا نازیبا ذکر نہیں ؟ کیا یہ تنقیصِ ائمہ اور اہانتِ محدثین نہیں ؟

اور سنیئے! آپ کے شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی مرحوم حامیٔ توحید و سنت، ماحیٔ شرک و بدعت اور عظیم مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

"صاحبو! محمد بن عبدالوہابؒ نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا۔ خیالاتِ باطلہ عقائد فاسدہ رکھتا تھا۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔" (شہابِ ثاقب، ص ۴۲) نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ

تبلیجئے، اور سنیئے! مولانا محمد حسن سنبھلی جو حنفی مذہب کے ایک بڑے عالم مانے جاتے ہیں اور جو بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد ہیں (تذکرہ علمائے ہند، مترجم ص ۱۰۱-۱۰۲ طبع کراچی) انہوں نے مشہور درسی کتاب "شرح عقائد" کا حاشیہ "نظم الفرائد" کے نام سے لکھا ہے۔ اس حاشیہ میں ایک مقام پر وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ابن القیمؒ، امام شوکانیؒ اور امام ابن حزمؒ جیسے اساطین فن اور مجتہدانِ ذی شان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

وخلفاء هذه الملة اربعة ابن تيمية وابن القيم والشوكانی فيقولون ثلثة رابعهم كلبهم واذا انضم اليهما ابن حزم وداؤد الظاهری بان صار واستة ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المكلبين مثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث

(۱۰۲، مطبع انوار محمدی، لکھنؤ)

اس کا ترجمہ کرنے کا یارا ہم میں نہیں، بس اتنا سمجھ لیں کہ اس میں ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ، شوکانیؒ اور ابن حزمؒ وغیرہ جیسے ائمہ و مجتہدین اور ان کے عقیدتمندوں کو "کتا" کہا گیا ہے نعوذ باللہ من هذه الهفوات۔

اسی حاشیے میں ایک مسئلے میں پہلے مسلکِ اہلحدیث کی غلط ترجمانی کرتے ہیں پھر اہلحدیث کے متعلق جو گوہر افشانی فرماتے ہیں، شرم و حیا اس کو نقل کرنے کی اجازت تو نہیں

دیتے، لیکن سخن گسترانہ طور پر چونکہ مقطع میں یہ بات آپڑی ہے، اس لیے نقل کیے دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

وخرجت علیه من الزاویة المنفرجة طائفة باغیة کبیة قنوجیة مجسمة مشبهة آکلة من اکساب ابضاع نسائها محدثة ضواط البدع و فسائها محترفة الوقیعة فی ائمة الامة و رؤسائها (ص ۱۴۱)

"اس کے خلاف ایک جماعت زاویہ منفرجہ سے نکلی ہے جو (حق سے) باغی ہے، گُبیہ ہے، قنوجی[1] ہے۔ اللہ کے لیے جسم ثابت کرتی ہے[2]۔ اس کو مخلوق سے تشبیہ دیتی ہے[3]۔ اپنی عورتوں کی شرم گاہوں کی کمائی کھاتی ہے۔ بدعتوں کا پاد مارتی ہے، آواز کے ساتھ اور بغیر آواز کے بھی۔ اُمت کے ائمہ اور اکابر پر طعن کرنا اس کا پیشہ ہے۔"

ناظرین اب خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ائمہ کا نازیبا ذکر کرنے والے کون ہیں! ہم کچھ نہیں کہتے۔ ہم نے تو آئینہ سامنے رکھ دیا ہے جس میں ہر شخص اپنی شکل دیکھ سکتا ہے

؎ غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر ۔۔۔ دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

باقی رہی یہ بات کہ

"تین چوتھائی امتِ مسلمہ آپ (امام ابو حنیفہؒ) کی فقہ کی پیرو اور روئے زمین کے

---

[1] نواب صدیق حسن خانؒ قنوج کے تھے، انہیں کی نسبت سے اہلحدیثوں کو قنوجی کہا گیا ہے۔

[2] یہ اشارہ ہے اُس الزام کی طرف جو ابن بطوطہ جیسے دروغ گو دوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ پر غلط طور پر لگایا ہے جسے ان کے مخالفین انہیں بدنام کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

[3] یہ بھی اشارہ ہے مسلکِ محدثین کی طرف جو صفاتِ خداوندی میں تاویل کے قائل نہیں۔

ہر خطے میں موجود ہے۔"

اگر اس سے مراد حضرت الامام رح کی منقبتِ جلیلہ کی وضاحت ہے تو سوال یہ ہے کہ اس سے انکار کسے ہے ؟ ثانیاً ہم عرض کریں گے کہ پیروکاروں کی کثرت سے منقبتِ امام کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ حنفیوں میں اصل حنفی تھوڑے ہیں احمد رضا خانی زیادہ ہیں، کیا رضا خانیوں کی کثرت سے مولانا احمد رضا خاں کی منقبت میں کچھ اضافہ ہو سکتا ہے ؟ اور اگر اس کثرت سے فقہ حنفی کی صداقت و برتری کا اظہار مقصود ہے تب بھی یہ دلیل خام ہے حنفیوں میں اکثریت بریلویوں کی ہے جن کو آپ لوگ درحقیقت امام ابو حنیفہ رح کا پیروکار نہیں مانتے، احمد رضا خاں کا پیروکار قرار دیتے ہیں، اس لحاظ سے پھر دیوبندی حنفیوں کے مقابلے میں بریلوی حنفی صحیح سمجھے جانے چاہئیں اور ان کے عقائد بھی دیوبندی عقائد کے مقابلے میں سچے۔ اگر آپ کثرت پر ہی نازاں ہونا چاہتے ہیں تو محترم ! اہل حدیث سے ہی یہ تقابل کیوں ؟ ذرا بریلویوں سے بھی اپنا تقابل کر کے دیکھئے ! آپ پر کثرت و قلت کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

چار دعوے اور ان کی حقیقت

دیوبندی ناقد لکھتے ہیں :۔

"قرآن و سُنّت میں تفقُّہ اور استنباطِ مسائل اور رائے و اجتہاد کا استعمال گو آج کے اہلِ ظاہر کے نزدیک مذموم ہو تو بیشک ہو مگر قرآن لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ اور لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ سے فقہاء و مجتہدین کی مدح سرائی کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ اور مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ سے فقہ کی تعریف کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ صاحبِ فقہ و رائے ہونا نہ مذموم ہے اور نہ قرآن و حدیث کے منافی بلکہ یہ باعثِ کمال ہے۔ یہی وصف امام ابو حنیفہ رح اور آپ کے اصحاب و تلامذہ"

میں بدرجۂ اکمل تھا۔ اہلِ علم محدثین انہیں اصحابِ رائے کہہ کر ان کی تعریف کرتے ہیں مگر ظاہر بین اور تفقہ سے عاری انہیں طعنہ دیتے ہیں۔ تفقہ سے عاری ظاہر پرستوں کی خدمت میں ہم یہی کہتے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

راست خواہی ہزار چشم چناں — کور بہتر کہ آفتاب سیاہ"

اس ارشاد میں دیوبندی ناقد نے مغالطہ بھی دیا ہے، غلط بیانی بھی کی ہے اور الزام تراشی بھی مثلاً:

- اہلحدیث ظاہر پرست اور تفقہ سے عاری ہیں۔
- ان کے نزدیک تفقّہ اور استنباطِ مسائل اور رائے و اجتہاد کا استعمال مذموم ہے۔
- قرآن وحدیث نے فقہ و رائے کی تعریف کی ہے نہ کہ مذمت۔
- امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کو محدثین نے جو اہل الرائے کہا ہے تو یہ ان کی تعریف ہے، تنقیداً نہیں کہا گیا جیسا کہ اہل حدیث سمجھتے ہیں۔

اب ہم مختصراً ان امور کی وضاحت کرتے ہیں۔

تفقّہ کا صحیح مفہوم

ان امور کی وضاحت سے پہلے اگر تفقّہ کا مفہوم سمجھ لیا جائے تو امور مذکورہ بالا کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی کیونکہ یہ تمام غلط فہمیاں یا خوش فہمیاں تفقّہ کے مفہوم کو نہ سمجھنے یا اس کا طبع زاد ایک غلط مفہوم قرار دینے ہی کا نتیجہ ہے۔

سنیئے! فقہ کا لغوی معنی ہے "ظاہری علم سے مخفی علم تک رسائی حاصل کرنا" الفقہ هو التوصل الى علم غائب بعلم شاهد (مفردات القرآن للراغب)۔

لیکن قرآن وحدیث میں علمِ شریعت پر فقہ کا لفظ بولا گیا ہے اور اس اعتبار سے ہر عالمِ دین فقیہ ہے، آیتِ قرآنی لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (کہ وہ دین کا علم اور اس میں تفقّہ حاصل کریں) اور حدیث میں مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا علم اور فہم عطا کر دیتا ہے) سے یہی علمِ فقہ یعنی علمِ شریعت

مراد ہے کیونکہ جس دور میں یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا، اس وقت مروجہ فقہوں کا کوئی وجود نہ تھا، اس لیے اس آیت وحدیث سے اصطلاحی فقہ مراد نہیں لی جاسکتی جو شریعت وغیر شریعت یعنی قرآن وحدیث اور اقوال وافکارِ ائمہ دونوں کا مجموعہ ہیں۔ چنانچہ کاتب چلپیؒ امام غزالیؒ (احیاء العلوم ص ۳۲ ج ۱) سے نقل فرماتے ہیں۔ ان الناس تصرفوا فی اسم الفقہ فخصوہ بعلم الفتاوی والوقوف علی دقائقھا واسم الفقہ فی العصر الاول کان یطلق علی علم الآخرۃ وحقارۃ الدنیا قال تعالٰی لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم، والانذار بھذا النوع من العلم دون تفاریع الفقہ کالسلم والاجارۃ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۸۱ طبع تہران ۱۳۸۷ھ) یعنی "لوگوں نے فقہ کے لفظ میں "تصرف" کرکے علم فتاوی اور اس کی موشگافیوں پر بولنا شروع کر دیا ہے حالانکہ عصر اول میں فقہ کا لفظ آخرت کے علم، نفس کی آفات، دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کے تصور پر بولا جاتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم" دین میں تفقہ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں" کیونکہ انذار (ڈرانا) اسی قسم کے علم سے ہو سکتا ہے نہ کہ (مروجہ) فقہ کی تفریعات از قسم بیع سلم واجارہ وغیرہ سے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ الا انبئکم بالفقیہ کل الفقیہ قالوا بلٰی قال من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ ولم یؤیسھم من روح اللہ ولم یؤمنھم من مکر اللہ ولا یدع القرآن رغبۃ عنہ الٰی ما سواہ الا لا خیر فی عبادۃ لیس فیہ تفقہ ولا علم لیس فیہ تفھم ولا قراءۃ لیس فیھا تدبر (ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص ۳۲)

یعنی "پورا فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اللہ کی تدبیر سے

بے خوف نہ ہو لے دے اور قرآن سے اعراض کر کے دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ تفقہ کے بغیر عبادت نہیں، فہم کے بغیر علم نہیں اور تدبر کے بغیر قرأۃ کوئی چیز نہیں۔"

اسی طرح علم کے لفظ کا بھی اصل اطلاق قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ پہ ہی ہوتا ہے۔ امام اوزاعی رح فرماتے ہیں۔ العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجئی عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلیس بعلم (ایقاظ، ص ۲۷)

"علم وہی ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ علم نہیں" اس طرح علم اور فقہ دونوں مترادف المعنی قرار پاتے ہیں۔ اور دونوں کا اطلاق قرآن، حدیث، آثارِ صحابہؓ، اجماع اور ان سے مستنبط آراء و مسائل پہ ہوتا ہے اور جو فقہ کے اختراعی مسائل یا تخریجی (علی قول الامام وغیرہ) آراء ہیں، ان پہ نہ فقہ کا اطلاق صحیح ہے نہ علم کا۔ چنانچہ فُلّانی اس مفہوم کی احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فهذه الاحاديث والآثار مصرحة بان اسم العلم انما يطلق على ما في كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم والاجماع او ما قيس على هذه الاصول عند فقد نص على ذلك عند من يرى ذلك لا على ما لهج به اهل التقليد والعصبية من حصرهم العلم على ما دوّن من كتب الرأي المذهبية مع مصادمة بعض ذلك لنصوص الاحاديث النبوية (ایقاظ، ص ۲۵، ۲۶)

"یہ احادیث و آثار اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ علم کا لفظ صرف کتاب و سُنّت اجماع اور نص کی عدم موجودگی میں ان کی روشنی میں کیے گئے قیاس پہ بولا جاتا ہے نہ کہ اس پہ جو اہلِ تقلید و عصبیت کا شیوہ ہے کہ انہوں نے علم کو تقلیدی مذاہب کی آراء کے مطابق مدوّنہ کتب میں محصور کر دیا ہے درآں حالیکہ وہ تقلیدی آراء نصوصِ حدیث سے متصادم ہیں۔"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

اسم الفقيه عند السلف كما تقدم انما يقع على من علم الكتاب والسنة وآثار الصحابة ومن بعدهم من علماء الامة واما من اشتغل بآراء الرجال واتخذه دينا ومذهبا ونبذ كتاب الله وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقضايا الصحابة والتابعين وآثارهم من وراءه فلا يطلق عليه اسم الفقيه بل هو باسم الهوى والعصبية اولى واحرى (ايقاظ الهمم، ص ٢٨)

"فقیہ کا لفظ سلف کے ہاں صرف ان لوگوں پر بولا جاتا تھا جو کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ کا علم رکھتے تھے، اسی طرح ان کے بعد جو دوسرے علمائے اُمّت تھے ان پر اس کا اطلاق ہوتا تھا۔ لیکن وہ لوگ جو ائمہ کی آراء میں منہمک ہوگئے اور اسی کو اپنا دین ومذہب بنالیا اور کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ وتابعینؒ کے فیصلے اور ان کے آثار کو پس پشت ڈال دیا، ان کو فقیہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا، ان پر تو ہوی وعصبیت کا اطلاق زیادہ صحیح ہے، یہ اسی نام کے مستحق ہیں۔"

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ علم وفقہ کا اطلاق صرف قرآن وحدیث آثارِ صحابہؓ واجماع اور ان سے مستنبط مسائل پر مشتمل کتابوں پر ہوگا۔ نہ کہ اُن پر جو ذیوعِ تقلید کے بعد قرآن وحدیث کے بجائے اقوالِ ائمہ اور ان کی تخریجات وتفریعات پر مبنی کتب "فقہ" مدون کی گئیں جنھیں اہلِ تقلید وحیٔ آسمانی کی طرح مقدس اور محفوظ عن الخطاء تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح عالم وفقیہہ وہ ہوگا جو قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ اور ان سے مستنبط مسائل کا ماہر ہوگا۔ اُسے عالم وفقیہہ کہنا صحیح نہیں جو نصوصِ قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ سے صرفِ نظر کرکے مروّجہ فقہوں میں بصیرت ورسوخ کو ہی سب کچھ سمجھے اور وہی اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور ائمۂ اربعہ و دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالےٰ کی تمام تر توجہ قرآن و حدیث و آثارِ صحابہؓ پر رہا کرتی تھی۔ ہر پیش آمدہ مسئلے میں سب سے پہلے وہ انہی چیزوں کو دیکھتے تھے اور ان ہی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اور کوئی نص نہ ملنے کی صورت میں یا تو وہ فتوی دینے سے ہی احتراز کرتے تھے اور اگر فتوی دیتے تو صراحت کر دیتے کہ یہ ہماری رائے ہے، اگر تمہیں اس رائے کے خلاف کہیں سے صحیح حدیث مل جائے تو پھر ہماری رائے اور فتوی پر عمل کرنے کی بجائے حدیث پر عمل کرنا۔ یہ احتیاط اسی لیے تھی کہ وہ دین میں بے بنیاد رائے و قیاس کو مذموم اور نصوصِ شریعت کو ہی علم و فقہ سمجھتے تھے اس لیے یہ سب ائمہ بلاشبہ فقیہہ و عالم اور ہر صورت میں ماجور و مثاب ہیں۔ ان کی رائے و قیاس بھی مذموم نہیں، محمود ہے، کیونکہ انہوں نے فقدانِ نقل کی صورت میں ہی رائے و قیاس سے کام لیا تھا جس کی شریعت میں نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسی صورت میں تجویز ہی یہ کیا گیا ہے وہ بعد کے اُن "فقہاء" کی طرح نہ تھے، جنہوں نے فرضی صورتیں گھڑ گھڑ کے اور اقوالِ ائمہ کو بنیاد بنا کر تقلیدی مذاہب کی کتابوں کو مدوّن کیا، جس کا نام انہوں نے "فقہ" رکھا اور "فقاہت" کے سارے حقوق انہوں نے انہی کتبِ "فقہ" کو پڑھنے پڑھانے والوں کے نام الاٹ کر دیئے۔

ا۔ ظاہر پرست اور تفقُّہ سے عاری کون ہے؟

اب ہم تبصرہ نگار کے عائد کردہ الزامات کی وضاحت کرتے ہیں، ایک الزام انہوں نے یہ دیا ہے کہ اہلحدیث ظاہر پرست اور تفقُّہ سے عاری ہیں لیکن ہم عرض کریں گے کہ یہ مقلدین کی خوش فہمی ہے بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ تمام ہر خود غلط گروہوں نے دوسروں کو ظاہر پرست اور فقہ سے عاری قرار دیا، فلاسفرِ یونان نے متکلمین اسلام کو یہی الزام دیا، متکلمین نے اپنی عقلیت پرستی کی وجہ سے فقہائے مقلدین اور فقہائے اہلحدیث دونوں کے خلاف یہی حربہ استعمال کیا اور فقہائے مقلدین نے اپنی فقہی موشگافیوں کے زعم میں محدثین کو یہی طعنہ دیا اس لیے آج کے اربابِ تقلید اگر اہلحدیث پر

یہی الزام تراشی کر رہے ہیں تو کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ یہ جن "اسلاف" کے "اخلاف" ہیں، ان ہی سے یہ چیز انہیں ورثے میں ملی ہے دیکھئے حافظ ذہبیؒ نے آج سے چھ سو سال قبل بھی اہلِ تقلید کی اس ذہنیت کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبیؒ طبقۂ تاسعہ کے ائمۂ دین و محدثین کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"میں نے جن ائمۂ حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ دین میں پوری بصیرت رکھتے تھے اور نجات کی راہ کو خوب سمجھتے تھے، ہمارے زمانے کے بڑے بڑے مُحدِّث بھی علم و معرفت میں ان کا لگا نہیں کھا سکتے۔ میرا گمان ہے کہ تم اپنی کثرتِ ہویٰ پرستی کی وجہ سے اگر کھلے طور پر نہ سہی تو بزبانِ حال ضرور کہو گے کہ احمد بن حنبلؒ کیا چیز ہے؟ ابن مدینی کون ہے؟ ابوداؤد اور ابوزرعہ کی کیا حقیقت ہے؟ یہ صرف مُحدِّث ہیں، انہیں فقہ کا پتہ ہے نہ اصولِ فقہ سے ہی وہ واقف ہیں، نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ رائے کیا چیز ہے، نہ وہ معانی و بیان کے دقائق کو سمجھتے تھے، نہ منطق کی باریکیوں سے انہیں کوئی شناسائی تھی نہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل دے سکتے ہیں، نہ فقہائے ملت میں ان کا شمار ہے (لیکن یاد رکھو یہ جسارتِ بے جا ہے جو تم ان ائمۂ حدیث کے حق میں کر رہے ہو) یا تو تم حلم سے چپ رہو یا پھر علم و دانش کی روشنی میں بات کرو مفید علم (اور حقیقت) صرف وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہے"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۶۲۸)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے نقض المنطق میں ایک مقام پر لکھا ہے۔ ان علامۃ الزنادقۃ تسمیتھم لاھل الحدیث حشویۃ "بے دین لوگ اہل حدیث کو حشوی (ظاہر پرست) کہتے ہیں"۔ (نقض المنطق، ص ۴، طبع مصر)

معلوم ہوا کہ حضراتِ مقلدین اور اہلِ باطل کا یہ پرانا حربہ ہے جسے وہ اہلِ حق اور مُحدِّثین کے خلاف استعمال کرتے آئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر پرست اور تفقّہ سے عاری

مقلدین ہیں نہ کہ اہلحدیث۔ اہلحدیث تو ہمیشہ قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ کو پیشِ نظر رکھتے ہیں اور انہی کی روشنی میں استنباطِ مسائل کرتے ہیں اور ہم صراحت کر آئے ہیں کہ عالم وفقیہہ کہلائے جانے کے اصل مستحق یہی لوگ ہیں۔ اس کے برخلاف مُقلّدین کا شیوہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وحدیث کو تو نظر انداز کر رکھا ہے اور ہر مسئلے میں کنز وقدوری وغیرہ کو سب سے پہلے دیکھتے ہیں جو قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ سامنے رکھ کر مرتب نہیں کی گئیں بلکہ اقوالِ ائمہ کی روشنی میں انہوں نے پہلے چند اصول گھڑے اور پھر ان اقوال وطبع زاد اصول کی روشنی میں آیات واحادیث کا پوسٹ مارٹم کیا گیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"حنفیاں برائے احکامِ مذہب خود اصلے چند تراشیدہ اند مثل الخاص مبین فلا یلحقہ البیان العام قطعی کالخاص المفہوم المخالف غیر معتبر الترجیح بکثرۃ الرواۃ غیر معتبر الزیادۃ علی الکتاب نسخ الی غیر ذلک الخ (قرۃ العینین ص ۱۸۶)

"احناف نے اپنے مذہب کی پختگی کے لیے کچھ اصول تراش لیے ہیں جن کی روشنی میں وہ ہر چیز دیکھتے ہیں حتیٰ کہ کئی احادیث بھی ان طبع زاد اصولوں کی وجہ سے ترک کر دی ہیں۔ ناقل) مثلاً خاص مبیّن ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہے مفہوم مخالف معتبر نہیں، کثرتِ رُواۃ کی وجہ سے ترجیح غیر معتبر ہے، کتاب اللہ پر زیادتی کتاب کا نسخ ہے۔ وغیرہ . . . "

"انصاف" میں بھی شاہ صاحبؒ نے ان وضع کردہ اصولوں اور ان کی بنا پر احادیث کے رد کرنے کا ذکر کیا ہے:۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

ومن اللطائف التی قلما ظفر بھا جدلی لحفظ مذھبہ ما اخترعہ

المتأخرون لحفظ مذهب ابی حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون بھا جمیع ما یحتج بھا علیھم من الاحادیث الصحیحۃ

(فتاوی عزیزی، ص ۲۶۷ ج ۱، طبع مجتبائی)

"متاخرین کے چند قاعدے، جو عجائبات میں سے ہیں، اور جو حضرت امام ابوحنیفہ رح کے مذہب کے تحفظ کے لیے گھڑے گئے ہیں ان قواعد کی بدولت وہ تمام صحیح احادیث کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوں۔"

طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم بتلاتے کہ اقوال پرستی اور ان طبع زاد اصولوں نے کیا ظلم ڈھائے اور نصوص قرآن و حدیث کو ان کی وجہ سے کس طرح پامال کیا گیا۔ ان مقلدین کی فقہ میں جو تفقہ کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ تفقہ کی کیا کیا نادر مثالیں ہیں، پھر کسی وقت توفیق ہوئی تو یہ دونوں چیزیں ان شاء اللہ پیش کی جائیں گی۔ اس وقت ہمارا مقصد صرف اس بات کی وضاحت ہے کہ کنز و قدوری کے اتباع "حشویت" میں ملوث اور نظر و استنباط سے محروم ہیں اور اقوال ائمہ نصوص فقہاء اور بزرگوں کی آراء کی کورانہ تقلید اصل ظاہر پرستی اور ظاہریت ہے۔ اہل حدیث تو الحمدللہ قرآن و حدیث میں کھلے دل سے لیکن باقاعدہ غور و فکر کرتے ہیں، ان سے مسائل کا استنباط پھر نظر دقیق سے ہی عملی زندگی میں ان کا انطباق کرتے ہیں۔ ان کو ظاہر پرست اور تفقہ سے عاری قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے حضرات بریلویہ، کہ گم کردہ راہ تو وہ خود ہیں لیکن اہلحدیث اور آپ کو گمراہ قرار دے کر انہوں نے "اہل سنت والجماعت" کے تمام حقوق اپنے نام الاٹ کرالیے ہیں۔ اسی طرح ظاہر پرست آپ خود ہیں اور کہہ اہل حدیث کو رہے ہیں۔ جنہوں نے ہر دور میں فکر و نظر کی مشعل جلائی، اجتہاد و استنباط کی قندیل روشن رکھی اور علم و فقہ کے دبستانوں کو سجایا۔ ورنہ محترم آپ حضرات نے تو چوتھی صدی ہجری میں ہی اجتہاد کا دروازہ بند فرما دیا ہے۔ لکن من عصر اربع مائۃ من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبھا افضل صلاۃ وسلام قال بعض العلماء الاعلام کما ینقل من

علماء الحنفية ان باب الاجتهاد قد انسد من ذلك التاريخ (رسالہ حميديہ، الشيخ حسين آفندی ترکی، ص ۳۲۸)

یعنی "۴۰۰ ہجری میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، جیسا کہ علمائے حنفیہ سے منقول ہے" اور جب سے ہی آپ حضرات کا مبلغ علم صرف مروجہ متونِ فقہ رہ گیا ہے۔ اب آپ ہیں جو "فقیہ" سمجھے جاتے ہیں وہ ان فروع سے آگے پڑھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ کنز، قدوری، ہدایہ، مختصر الوقایہ، دُرِ مختار وغیرہ کتب "فقہ" میں جس طرح جزئیات مرقوم ہیں، انہیں آپ لوگوں نے من وعن قبول کر رکھا ہے، ان کی صحت یا سقم سے غالباً نہ کسی کو غرض ہے نہ اس پہ بحث کرنے کا کسی کو حق۔ ظاہر پرستی تو یہ ہے۔ تعجب ہے کہ امام داؤد ظاہریؒ وغیرہ کی ظاہریت کو علمی دیانت کا خون کر کے "اہلحدیث" پر چسپاں کرنے والے ان حضرات نے متونِ فقہ کے ظواہر کو اسی طرح مقدس سمجھا جس طرح داؤد ظاہری وغیرہ نے (ان حضرات کے بقول) الفاظِ حدیث کو سمجھا، گویا دوسروں کو حشوی اور ظاہری کہنے والے خود آراءِ رجال اور متقدمین اور متاخرین کے فہم پر قانع ہو کر رہ گئے حالانکہ اُن کی ظاہریت کو تو غالباً اللہ تعالیٰ پسندیدگی کی سند دے دے گا کہ وہ پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس میں کسی تاویل کے روادار نہیں۔ لیکن آپ لوگوں نے تو قرآن وحدیث کے ظاہر کو ترک کر کے آراءِ رجال اور متونِ فقہ کے ظواہر کو اتنا مقدس سمجھ لیا ہے کہ قرآن چھوٹتا ہے تو چھوٹے حدیث چھوٹتی ہے تو چھوٹے، آثارِ صحابہ چھوٹتے ہیں تو چھوٹیں لیکن آپ کے بزرگوں کا فرمایا ہوا پتھر کی ایسی لکیر ہے کہ وہ نہ مٹ سکتی ہے نہ آپ سے چھوٹ سکتی ہے۔

بہرحال ظاہر پرست بحمد اللہ "اہلحدیث" نہیں، خود مقلدین حضرات ہیں "اہل حدیث" نے تو اجتہاد ونظر کی جوت ہمیشہ جگائے رکھی ہے۔ اسی طرح تفقّہ سے عاری بھی مقلدین ہی ہیں جنہوں نے قرآن وحدیث کے بجائے اقوالِ ائمہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے حالانکہ اصل تفقّہ قرآن وحدیث کا فہم اور ان سے استنباطِ مسائل کی استعداد وصلاحیت ہے جس سے

بتوفیقہ تعالیٰ علمائے اہل حدیث بہرہ ور رہیں جب کہ مقلدین نے اپنے کو از خود اس شرف سے محروم کر رکھا ہے۔

۲۔ تفقّہ، استنباطِ مسائل اور اہل حدیث

اس الزام میں بھی کوئی صداقت نہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک تفقّہ، استنباطِ مسائل اور رائے و اجتہاد کا استعمال مذموم ہے۔ غالباً تبصرہ نگار کی نظر میں حافظ ابن حزمؒ امام داؤد ظاہریؒ اور ان کے ہمنوا بزرگ ہوں گے جنہوں نے مقلدین کے قرآن و حدیث سے اعراض اور اقوال پسندی اور فرضی مسائل کے طومار دیکھ کر اس کے ردِّ عمل کے طور پر قیاس و رائے کے استعمال کو کُلیتہً ناپسند اور اس کی حُجیّت سے انکار کر دیا اور صرف ظاہر قرآن و حدیث پر کفایت کرنے کی روش اپنائی لیکن اہل حدیث تو اس مسلک میں ان کے ساتھ نہیں انہوں نے جمود و تقلید کے ساتھ اس قسم کی ظاہریتِ محضہ کو بھی پسند نہیں کیا ہے۔ ظاہر ہے نصوص کا ذخیرہ محدود ہے، سننِ ثابتہ چند ہزار کے پس و پیش ہوں گی قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں میں آیاتِ احکام کی تعداد کم ہی ہے لیکن حوادث کا سلسلہ غیر محدود ہے، جب تک یہ کارخانۂ عالم قائم اور اس کا ہنگامۂ ہاؤ ہو جاری ہے، واقعات و حوادث ہوتے رہیں گے۔ ان غیر محدود واقعات اور تغیر پذیر حالات کے متعلق ان محدود نصوص میں صریح احکام کیسے مل سکتے ہیں؟ عملی زندگی میں اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ نظائر اور ان کے احکام میں ہم آہنگی پیدا کی جائے، شارع کے احکام کے عِلَل و اسباب اور اُن مصالح کا بغور مطالعہ کیا جائے جن کی بنا پر شارع نے یہ احکام نافذ فرمائے۔ کتاب اللہ کا ایسا فہم اور ادلۂ شرعیہ میں ایسی بصیرت جس سے مختلف نظائر کے حکم میں توازن ہو، اسی کا نام قیاسِ صحیح، اجتہاد اور استنباطِ مسائل ہے۔ اس لیے ہم نہ ضرورتِ قیاس و رائے صحیح کے منکر ہیں نہ اس کی حجیت و افادیت سے مجالِ انکار ہی ہے۔ ہم ظواہرِ حدیث کے پورے احترام اور ان کے لغوی اور شرعی معانی و اصطلاحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قیاس و رائے کو شرعی حُجّت سمجھتے ہیں اور بوقتِ ضرورت اس سے استفادے

کے قائل ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم قیاس ورائے کا استعمال صرف اُن واقعات ہی کے سلسلے میں کرتے ہیں جن کے بارے میں کوئی نصِ شرعی موجود نہ ہو۔ ہم مقلدین کی طرح قیاسی ادلّہ کو نصوص کے مقابلے میں یا نُصوص قرآن وحدیث سے جان چھڑانے کے لیے استعمال کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ مقلدین بھی اگر اسی روش کو اپنالیں اور اقوالِ ائمہ کے مقابلے میں نصوص کی برتری و تقدس کو تسلیم کرلیں تو ہمارا اوران کا سارا اختلاف ہی ختم ہوجائے۔ ہم قرآن وحدیث سے ثابت شدہ مسائل میں قیاس ورائے اور اجتہاد کو یقیناً مذموم اور سخت مذموم سمجھتے ہیں۔

چند مثالوں سے شاید اس کی توضیح ہوسکے گی مقلدین احناف نے ایک اصول بنایا ہوا ہے۔ الخاص لا یحتمل البیان۔ اس کا مطلب ہے کہ خاص کا مفہوم چونکہ واضح اور بیّن ہوتا ہے اس لیے اسے بیرونی تشریح اور وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اس اصول کو کئی مسائل میں احناف نے شوافع کے خلاف استعمال کیا ہے لیکن نہ صرف یہ کہ اس اصول کی آڑ میں شافعیوں کی تغلیط فرمائی بلکہ اگر کہیں صحیح حدیث بھی اس وضعی اصول کی لپیٹ میں آگئی تو حدیث کو نظر انداز کر دیا گیا۔ مگر اس "اصول" کی آبرو اور تقدس پر کوئی حرف نہ آنے دیا گیا، جیسے قرآن مجید کا ارشاد ہے یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم الخ۔ "اے ایمان والو! رکوع وسجود کرو اور اپنے رب کی عبادت بجالاؤ" اس آیت میں مقلدین حنفیہ نے یہ موشگافیاں کیں کہ رکوع کے معنی ہیں "جھکنا" اور سجود کے معنی ہیں "زمین پر پیشانی کا رکھنا" اس لیے اگر کوئی شخص معمولی سا جھک جائے تو رکوع ہوجائے گا اور زمین پر پیشانی رکھ کر فوراً ہی اُٹھالے گا تو سجدہ ہوجائے گا اور اس کی نماز صحیح ہوگی کیونکہ رکوع وسجود کا لغوی معنی ثابت ہوگیا۔ یہ معنی خاص ہے اسے کسی بیان اور خارجی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن اہلحدیث کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں رکوع اور سجود ضروری ہیں اسی طرح نماز میں طمانیت، سکون اور اعتدالِ ارکان ضروری ہے۔ اور اعتدالِ ارکان کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی کیونکہ حدیث شریف میں صراحت آتی ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھی۔ اس

نے رکوع وسجود اطمینان سے نہیں کیا۔ آپؐ نے اس سے فرمایا صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ "تم نماز دوبارہ پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی" اس نے دوبارہ اسی طرح نماز پڑھی، آپؐ نے پھر فرمایا "تمہاری نماز نہیں ہوئی" تیسری مرتبہ بھی جب آپؐ نے یہی ارشاد فرمایا تو اس شخص نے کہا حضورؐ مجھے بتلا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں آپؐ نے پھر اسے رکوع و سجود اور دیگر ارکان اطمینان سے کرنے کی تلقین کی (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، باب صفۃ الصلاۃ) اسی طرح حضورؐ کی ایک حدیث ہے "آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں جب تک وہ رکوع و سجود اطمینان سے نہ کرے" ایک اور روایت میں آپؐ نے ایسے شخص کو جو رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا بدترین چوری کا مرتکب قرار دیا اور اس فعل کو نماز میں چوری سے تعبیر کیا، مشکوٰۃ باب الرکوع) ان احادیث سے رکوع و سجود اطمینان سے کرنے کا ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی لیکن مقلدین احناف فرماتے ہیں کہ رکوع و سجود کا "خاص معنی" معلوم ہو جانے کے بعد حدیث کی تشریح قبول نہیں کی جائے گی۔

پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ اس من گھڑت اصول کی حمایت میں منصبِ رسالت کو بھی مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور کہا گیا کہ اگر ہم ان احادیث کو مان کر نماز میں اطمینان و سکون کو بھی ضروری قرار دے لیں تو یہ قرآن پر زیادتی ہوگی جو نسخ کے مترادف ہے۔ جب قرآن نے خاص الفاظ سے ایک حقیقت کا اظہار کر دیا ہے تو اس پر زیادتی کسی طرح درست نہیں۔ ایسا کرنا یا سمجھنا قرآن عزیز کی عظمت اور اس کی رفعتِ شان کے منافی ہے۔ گویا رسولؐ کی تشریح قرآن پر زیادتی اور اس کی عظمت و رفعتِ شان کے منافی ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ حالانکہ حضورؐ کا تو یہ منصب ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل ۴۴) "ہم نے آپؐ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تبیین و تشریح کریں" اس لیے حضورؐ کی یہ تشریح کہ رکوع ایسا ہو اور سجود ایسا ہو، قرآن کی بیان کردہ رکوع و سجود کی اصطلاح کی توضیح و تفسیر ہے۔ قرآن پر زیادتی نہیں۔ اپنے من گھڑت

اصول کی حمایت میں حدیثِ رسولؐ سے انکار کے ساتھ ساتھ منصبِ رسالت پر بھی حملہ کیا کہ جنابؐ کو قرآن کی تفسیر کی بھی اجازت نہیں ہے۔ ہم اسے تفقّہ نہیں جہالت، اجتہاد نہیں استخفافِ رسولؐ اور قیاس ورائے کا بدترین استعمال سمجھتے ہیں اور ایسے "تفقّہ" "اجتہاد" اور "قیاس ورائے" سے ہزار بار پناہ مانگتے ہیں۔ یقیناً ہم ایسے قیاس ورائے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

ایک اور مثال ایک اور اصول ان حضرات کا یہ ہے کہ "جب کسی چیز کی صورت بدل دی جائے تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے" اس اصول کے تحت انہوں نے کہا کہ اگر شراب کا سرکہ بنا لیا جائے تو یہ حلال ہوگا اور ایسا کرنا درست بھی ہوگا، کیونکہ صورت بدل جانے سے حکم بدل جائے گا۔ حالانکہ حدیث میں شراب سے سرکہ بنانے کی ممانعت صراحۃً آئی ہے اس لیے اہل حدیث اس مسئلے میں نص کے ہوتے ہوئے قیاس ورائے کے استعمال ہی کے قائل نہیں ہیں۔ اور شراب سے بنا یا ہوا سرکہ ان کے نزدیک ہر صورت میں حرام ہی ہوگا۔ جب سرے سے اس فعل (شراب سے سرکہ بنانا) ہی سے حدیث میں روک دیا گیا ہے تو اس پر یہ شگوفہ لگانا کہ "صورت بدل گئی۔ لہٰذا حکم بھی بدل گیا" حدیثِ رسولؐ کے ساتھ مذاق ہے۔

اسی طرح ان مقلدین نے کہا کہ مالِ مسروق کی صورت اگر بدل جائے۔ مثلاً غلّہ اگر پیس لیا جائے یا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت بنا لیا جائے تو چور کے تمام تصرفات مالکانہ ہوں گے لیکن اہلحدیث ان ظاہری تبدیلیوں کے باوجود چور کے مالکانہ حقوق تسلیم کرتے ہیں نہ اسے مزید تصرفات کی اجازت دیتے ہیں گو مال میں بظاہر تبدیلی آگئی ہے لیکن چور بدستور چور ہے جب تک وصفِ موضوع معلوم اور ثابت ہے، تاویلات کے بل پر چور کو مالک نہیں کہہ سکتے۔ (السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما (چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں) نصِ قرآنی کا مقصد بھی یہ ہے کہ جب تک چور، چور ہے اور مالِ مسروق ہے، اس کی خرید و فروخت جس طرح اس کی اصل صورت میں ممنوع ہے اسی طرح تبدیل شدہ صورت میں بھی اس میں تصرف شرعاً درست نہیں، بشرطیکہ سرقے کا علم ہو۔ بیشک فقہائے مقلدین نے اپنے نقطۂ نظر کے اثبات

ہیں بڑا زور لگایا ہے لیکن اہلحدیث ان کی رقیقہ سنجیوں سے مطمئن نہیں اور اس رائے کو وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔ اور ایسا اجتہاد اور رائے ان کی نظر میں مذموم ہی ہے۔

مسلکِ اہلحدیث

ان توضیحات سے مسلکِ اہلحدیث کی حقیقت گو نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ وہ داؤد ظاہری وغیرہ کی طرح نہ قیاس و رائے کی حجیّت و افادیت کے منکر ہیں نہ متقلدین کی طرح نصوص کے مقابلے میں بھی قیاس و رائے کو اہمیت دینے کے قائل ہیں بلکہ ان کی راہ دونوں کے بین بین ہے۔ تاہم شاہ ولی اللہ صاحب نے مسلکِ اہلحدیث کی وضاحت کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی بڑا اہم ہے جس سے اہل حدیث اور ان کے مسلک پہ کافی روشنی پڑتی ہے اور ہمارے بیان کردہ نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ اس لیے شاہ صاحبؒ کے بھی چند حوالے ملاحظہ فرما لیے جائیں کہ سہ

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں　　　گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ کے "باب الفرق بين اهل الحديث واصحاب الرأي" میں محدثین کی تلاش و تدوینِ حدیث کی مساعیٔ حسنہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

"محققین اہل حدیث نے فنِ روایت میں پختگی اور مراتب حدیث سے پوری معرفت حاصل کی اور فقہ کی طرف توجہ کی لیکن ان کا یہ طریق نہ تھا کہ اس معاملے میں گزشتہ بزرگوں میں سے کسی خاص شخص کی تقلید پر اتفاق کر لیں، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ ان مروّجہ (تقلیدی) مذاہب میں متناقض احادیث و آثار ہیں، اس لیے انہوں نے احادیثِ رسول، آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کے علوم پر اپنے قواعد کی روشنی میں غور کیا۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اہل حدیث کے قواعد کا بھی مختصراً تذکرہ فرمایا ہے۔ جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص، استنباطِ مسائل، اجتہاد و رائے کے لیے معیار اور بنیادی اصول ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ جب قرآن مجید میں کوئی حکم صراحتہً موجود ہو تو اہلحدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر قرآن مجید میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ قرآن کا وہی مفہوم درست ہوگا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔

۳۔ اگر قرآن مجید کسی حکم کے متعلق خاموش ہو تو عمل حدیث پر ہوگا۔ وہ حدیث چاہے فقہاء کے درمیان مشہور و معروف ہو، یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص ہو، یا کسی خاص خاندان یا کسی خاص طریقے سے مروی ہو، اور چاہے اس پر کسی نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو، وہ حدیث (بشرطِ صحت) قابلِ استناد ہوگی۔

۴۔ جب کسی مسئلے میں حدیث مل جائے تو کسی مجتہد اور امام کی پرواہ نہ کی جائے گی نہ کوئی اثر قابلِ قبول ہوگا۔

۵۔ جب پوری کوشش کے باوجود کسی مسئلے میں حدیث نہ ملے تو صحابہؓ و تابعینؒ کے فتاوی پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔

۶۔ اگر خلفاء اور جمہور فقہاء متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

۷۔ اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی و عالم اور زیادہ حفظ و ضبط رکھنے والے شخص کی حدیث قبول کی جائے گی یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہوگی اسے لیا جائے گا۔

۸۔ اگر علم و فضل، ورع و تقوی اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہوں تو اس مسئلے میں متعدد اقوال متصور ہوں گے، جن میں سے ہر ایک پر عمل جائز ہوگا۔

۹۔ اگر اس میں بھی اطمینان بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات، اقتضاء اور ایماءات (اشارات) پر غور کیا جائے گا اور مسئلہ زیر بحث کے نظائر کے حکم کو دیکھا جائے گا اور حکم استخراج کیا جائے گا۔ اصولِ فقہ کے مروّجہ قواعد پر اعتماد نہیں کیا جائے گا بلکہ طمانیتِ قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائے گا۔ جس طرح متواتر روایات

میں اصل چیز راویوں کی کثرت اور ان کی حالت نہیں بلکہ اصل شئی دل کا اطمینان اور سکون ہے یہ اصول پہلے بزرگوں (صحابہؓ و تابعینؒ) کے طریق کار اور ان کی تصریحات سے ماخوذ ہیں۔"

اس کے بعد شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اُن آثار کا ذکر کیا ہے جن میں ان اصولوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جن میں اوّلیت قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہؓ کو دی گئی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۴۹)

ایک اور مقام پر شاہ صاحبؒ اہل حدیث اور اہل تقلید کے اصولِ استنباطِ مسائل کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:-

"باید دانست کہ سلف در استنباطِ مسائل و فتاوی بر دو وجہ بودند یکےؒ آنکہ قرآنؒ حدیث و آثارِ صحابہؓ جمع می کردند و ازاں جا استنباط می نمودند و ایں طریقہ اصل راہ محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس ہر مسئلہ کہ وارد می شد جوابِ آں از ہماں قواعد طلب می کردند و ایں طریقہ اصل راہِ فقہاء است و غالب بر بعض سلف طریقہ اولیٰ بود و بر بعض آخر طریقہ ثانیہ (مصفّٰی۔ ج ۱، ص ۴)

"سلف میں استنباطِ مسائل کے دو طریق تھے پہلا یہ کہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہؓ جمع کیے گئے اور ان کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل پر غور کیا گیا یہ محدثین (اہل حدیث) کا طریقہ تھا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ قرآن و حدیث اور آثار کی بجائے) ائمہ کے منقح اور مہذب کردہ قواعدِ کلیہ کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا گیا۔ اور اصل ماخذ (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی۔ یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف میں سے ایک گروہ پہلے طریق کا پابند ہے اور ایک گروہ دوسرے طریق کا۔"

لیکن استنباطِ مسائل کا جو دوسرا طریقہ ہے اس کے متعلق ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ عموماً اہلِ تقلید کے ہاں مُروّج رہا ہے اور اس طریقے سے انہوں نے احادیثِ صحیحہ کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ اور خود شاہ صاحبؒ نے بھی دیگر مقامات میں اس تقلید و جمود اور نصُوصِ حدیث سے اعراض و تغافل کو ناپسند کیا ہے۔ ایک اور مقام پر ظاہری اور مقلدینِ جامدین دونوں کو خطاب کر کے لکھتے ہیں:۔

انی اقول لھؤلاء المسمین انفسھم بالفقھاء الجامدین علی التقلید یبلغھم الحدیث من احادیث النبی صلے اللہ علیہ وسلم باسناد صحیح وقد ذھب الیہ جمع عظیم من الفقھاء المتقدمین ولا یمنعھم الا التقلید لمن یذھب الیہ وھؤلاء الظاھریۃ المنکرین للفقھاء الذین ھم طراز حملۃ العلم وائمۃ اھل الدین انھم جمیعًا علیٰ سفاھۃ و سخافۃ رأی وضلالۃ وان الحق بین بین (التفہیمات۔ ج ۱، ص ۲۰۹)

"میں ان نام کے فقہاء سے کہتا ہوں جن میں تقلید کی وجہ سے انتہائی جمود آچکا ہے، جب ان کو صحیح حدیث پہنچتی ہے جو امت میں معمول بہا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کی تقلید کی وجہ سے جن کے مسلک کے خلاف یہ حدیث ہے۔ اس حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور بالکل ظاہر پرست حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ایسے فقہاء کا انکار کرتے ہیں جو حاملینِ علم اور ائمۂ اہلِ دین ہیں۔ کہ یہ دونوں فریق غلط راہ پر جا رہے ہیں یہ کم فہمی کی راہ ہے اور حق ان دونوں کے بین بین ہے۔"

اور عقد الجید میں شاہ صاحبؒ نے اہلِ حدیث کے بھی دو گروہوں کا ذکر کیا ہے ایک

محققین فقہائے اہل حدیث اور دوسرے ظاہری اہل حدیث۔ اور ظاہری اہل حدیث کو محققین اہل حدیث سے الگ قرار دیا ہے اور ان ظاہریوں کی علامت یہی بتلائی ہے کہ وہ قیاس و اجماع کے قائل نہیں چنانچہ شاہ صاحب محققین فقہائے اہلحدیث کے طرزِ اجتہاد و استنباطِ مسائل کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں :-

"فھذہ طریقۃ المحققین من فقہاء المحدثین وقلیل ماھم وھم غیر الظاھریۃ من اھل الحدیث الذین لا یقولون بالقیاس ولا الاجماع (عقد الجید مع ترجمہ سلک مروارید ص۲۴، طبع مجتبائی)

"محققین فقہائے اہل حدیث کا یہ طریقہ تھا اور ایسے لوگ کم ہیں، اور یہ لوگ علیحدہ ہیں ظاہری اہلحدیث سے جو نہ قیاس کے قائل ہیں نہ اجماع کے "

الحمد للہ "اہل حدیث" اسی مسلکِ معتدل کے قائل ہیں جس کو تفہیمات میں شاہ صاحب نے بین بین قرار دیا ہے اور عقد الجید میں جسے محققین فقہائے اہل حدیث کا طریقہ بتلایا ہے یعنی اہل حدیث نہ ظاہریوں کی طرح قیاسِ صحیح و باقاعدہ اجتہاد کے منکر ہیں نہ اہلِ علم فقہاء کی صحیح فکری کاوشوں سے انہیں انکار ہے اور نہ جامد مقلدین کی طرح نصوصِ قرآن و حدیث سے تغافل و اعراض اور ان میں توجیہاتِ بعیدہ و تاویلاتِ رکیکہ ان کا شیوہ ہے۔

۳۔ قرآن و حدیث نے کس فقہ و رائے کی تعریف کی ہے؟ | نصوصِ شریعت

میں اُس فقہ و رائے اور اجتہاد کو سراہا گیا ہے جو نصوصِ قرآن و حدیث کے دائرے میں ہو اور اس کی روشنی میں کیا گیا ہو نہ کہ اُس فقہ و اجتہاد کو جس کی بنیاد قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ رضی کے بجائے نصوصِ ائمہ اور اقوالِ رجال ہیں ایسے ہی تفقہ نے تو قرآن و حدیث کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے تفقہ کی اہمیت واضح فرمائی، اس وقت ان مروّجہ فقہوں کا کوئی وجود ہی نہ تھا، علاوہ ازیں عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں بھی فقہ اور علم کا لفظ قرآن فہمی اور حدیث شناسی پر ہی بولا جاتا تھا۔ اس لیے فقہ و قیاس واقعۃً قابلِ مذمت نہیں، لیکن اس سے مراد صرف وہی قیاس و رائے اور فقہ و اجتہاد ہے جس کا وجود عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعین میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ اوّلاً تو وہ نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس و رائے کا استعمال ہی نہیں کرتے تھے اور ثانیاً ایسا کرنا جب ناگزیر ہوتا تو وہ قرآن و حدیث ہی کی روشنی میں اجتہاد کرتے تھے۔ بخلاف مقلدین کے کہ انہوں نے ایک تو نصوصِ قرآن و حدیث کے مقابلے میں بھی قیاس و رائے کا استعمال کیا اور اپنے قیاسی اَدِلہ و اصول کی بناء پر متعدد احادیث صحیحہ و قویہ کو نظر انداز کر دیا۔ دوسرے، ان کے اجتہاد و قیاس کی بنیاد بھی نصوصِ قرآن و حدیث نہیں، بلکہ اقوالِ ائمہ اور ان کی آراء ہیں اور وہ ان ہی کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ یہ وہ فقہ و رائے نہیں ہے جس کی قرآن و حدیث میں تعریف آئی ہے۔ بلکہ یہ فقہ و رائے یقیناً مذموم ہے۔ بھلا ایسے طرزِ اجتہاد کی تعریف قرآن و حدیث کیوں کر کر سکتے ہیں جس سے خود قرآن و حدیث ہی ثانوی حیثیت اختیار کر لیں اور اوّلیت و اہمیت کا تمام تر شرف ائمہ اور ان کے اقوال کو حاصل ہو جائے۔ اہل حدیث اسی تقلیدی فقہ و رائے کی مذمت کرتے ہیں نہ کہ اولی الذکر قیاس و رائے کی۔

۴۔ اہل الرائے کی وجہ تسمیہ اب ہم اس چوتھے دعوے کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔ کہ "امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو محدثین نے جو اہل الرائے کہا ہے تو یہ ان کی تعریف ہے، ان پر طعن نہیں جیسا کہ اہل حدیث سمجھتے ہیں۔"

محدثین نے مقلدینِ احناف کو اہل الرائے کہا ہے، وہ نہ طعن ہے، جس طرح تبصرہ نگار نے یہ تاثر دیا ہے اور نہ تعریف، جیسا کہ تبصرہ نگار کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ لقب ایک حقیقتِ واقعیہ کا اظہار ہے۔ اور وہ حقیقت ہے اہل حدیث اور اہلِ تقلید کے نقطۂ نظر

میں فرق اور طرزِ اجتہاد اور طریق استنباطِ مسائل میں اختلاف کی۔

اہل حدیث کے قرآن و حدیث سے خصوصی لگاؤ اور انہی کو مدارِ عمل بنانے کے علاوہ انہوں نے ہمیشہ پیش آمدہ مسائل کا حل بھی انہی کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش اور سعی کی ہے اور نصوص کی برتری و تقدّس کو کبھی مجروح نہیں کیا۔ اس لیے ان کا نام اہل حدیث اصحابِ حدیث، فقہائے حدیث اور محدثین قرار پایا۔

اور اہلِ تقلید نے اولاً تقلید کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے قرآن و حدیث کو درخورِ اعتناء ہی نہیں سمجھا اور سارا مدارِ عمل اقوالِ رجال پر رکھا، ثانیاً استنباطِ مسائل میں بھی انہوں نے قرآن و حدیث کے بجائے آراءِ ائمہ کو بنیاد بنایا اور انہی پر تخریج در تخریج اور تفریع در تفریع کی۔ اس وجہ سے ان کا نام اہل الرائے قرار پایا۔

اہل الرائے کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں عقل و فہم اور تفقّہ اور اجتہاد کا ملکہ بہت زیادہ تھا، جیسا کہ تبصرہ نگار باور کرانا چاہتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے حدیث کے مقابلے میں آراءِ رجال کو زیادہ اہمیت دینے والے علمائے محققین نے اس پہلو کی بھی خوب وضاحت کر دی ہے۔ سب سے پہلے ہم خود شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصریحات اس ضمن میں پیش کرتے ہیں جنہیں اہلِ دیوبند بھی مستند سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

وان کل من قاس واستنبط فھو من اھل الرأي ــ کلا واللہ ــ بل لیس المراد بالرائي نفس الفھم والعقل فان ذلك لاینفك من احد من العلماء ولا الرائي الذی لا یعتمد علی سنة اصلاً فانه لا ینتحله مسلم البتة ولا القدرة علی الاستنباط والقیاس فان احمد واسحق بل الشافعی ایضاً لیسوا من اھل الرائي بالاتفاق وھم یستنبطون ویقیسون، بل المراد من اھل الرأی قوم توجھوا بعد المسائل المجمع علیھا بین المسلمین او بین جمھورھم

الی التخریج علیٰ اصل رجلٍ من المتقدمین، فکان اکثر امرھم حمل النظیر علی النظیر والرد الیٰ اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والآثار (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱، ص ۱۶۲)

"یہ کہنا کہ جو بھی قیاس سے کام لے اور استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے، قطعاً غلط ہے، بلکہ رائے سے مراد عقل اور فہم نہیں، کیونکہ اس سے تو ہر عالم ہی بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے وہ رائے مراد ہے جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، یہ تو کوئی مسلمان پسند ہی نہیں کر سکتا اور نہ رائے، استنباط اور قیاس پر قدرت ہی کا نام ہے کیونکہ امام احمدؒ، اسحاقؒ بلکہ امام شافعیؒ بھی قیاس اور استنباط کرتے تھے لیکن وہ بالاتفاق اہل الرائے نہیں ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے مراد وہ حضرات ہیں جو مسلمانوں یا ان کے جمہور کے درمیان مسائل میں اتفاق و اجماع ہو جانے کے باوجود، متقدمین میں سے کسی متعین بزرگ کے اصولوں پر استنباط اور تخریج کرتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا کام نظائر کو نظائر پر محمول کرنا اور کسی نہ کسی معین اصول کی طرف رجوع کرنا ہے اور اس (قیاس و استنباط کے لیے وہ احادیث و آثار کی جستجو نہیں کرتے۔"

بالکل یہی بات شاہ صاحبؒ نے "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں بھی بیان کی ہے اور حجۃ اللہ کے ایک اور مقام پر بھی اہل الرائے کی یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے (ملاحظہ ہو۔ ص ۱۵۱ - ۱۵۲، ج ۱)

امام شہرستانیؒ لکھتے ہیں۔

ثم المجتھدون ائمۃ الأمۃ محصورون فی صنفین لا یعدوان الی ثالث، اصحاب الحدیث وھم اھل الحجاز...

وانما سموا اصحاب الحدیث لان عنایتهم بتحصیل الاحادیث و نقل الاخبار و بناء الاحکام علی النصوص ولا یرجعون الی القیاس الجلی والخفی ما وجدوا خبراً و اثراً اصحاب الرأی وهم اهل العراق، هم اصحاب ابی حنیفة النعمان بن ثابت و انما سموا اصحاب الرأی لان اکثر عنایتهم بتحصیل وجه القیاس والمعنی المستنبط من الاحکام و بناء الحوادث علیها و ربما یقدمون القیاس الجلی علی آحاد الاخبار (الملل والنحل ج ۱، ص ۲۰۶، ۲۰۷، طبع مصر)

"ائمہ مجتہدین کی دو ہی قسمیں ہیں، اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائے۔ اصحاب الحدیث (اہلحدیث) کا مسکن حجاز ہے انہیں اہل حدیث اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی تمامتر توجہ احادیث و اخبار پر ہے اور احکام کی بنیاد انہی نصوص پر رکھتے ہیں، اور حدیث اور اثر کی موجودگی میں قیاس جلی و خفی کو اہمیت نہیں دیتے۔ اصحاب الرائے، وہ اہل عراق ہیں، امام ابوحنیفہ رح اور ان کے اصحاب۔ انہیں اصحاب الرأی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی زیادہ تر توجہ قیاس اور احکام سے مستنبط معانی کی طرف ہوتی ہے اور انہی چیزوں پر یہ احکام حوادث کی بنیاد رکھتے ہیں اور بسا اوقات خبر واحد (حدیث) پر بھی قیاس جلی کو مقدم رکھتے ہیں۔"

فلسفۂ تاریخ کے امام ابن خلدون اہل عراق میں احادیث کی کمی اور کثرت قیاس کو "اہل الرائے" کہلانے کی وجہ قرار دیتے ہیں۔

وانقسم الفقه فیهما الی طریقتین طریقة اهل الرأی والقیاس وهم اهل العراق وطریقة اهل الحدیث وهم اهل الحجاز

وكان الحديث قليلاً في اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذلك قيل اهل الرأى ومقدم جماعتهم الذي استقر المذهب فيه وفي اصحابه ابو حنيفة (مقدمہ ابن خلدون، فصل في علم الفقه وما يتبعه من الفرائض. ص ۴۴۶، طبع بیروت)

"فقہ کی دو قسمیں ہو گئیں، فقہ اہل الرائے والقیاس، جن کا مرکز عراق ہے اور فقہ اہل الحدیث جن کا مرکز حجاز ہے، اہل عراق میں حدیث کا چرچا کم تھا، جس کے وجوہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، پس انہوں نے بکثرت قیاس سے کام لیا اور اس میں طاق ہو گئے، اسی لیے ان کا نام بھی اہل الرائے پڑ گیا، ان کے امام حضرت امام ابو حنیفہ رح ہیں۔"

ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ احناف کو اہل الرائے کہنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ بصیرت وفہم دین اور اجتہاد وتفقہ میں دوسرے اصحاب مذاہب سے نمایاں تھے بلکہ اس نام کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک تو ان میں احادیث سے اعتنا کم رہا ہے۔ دوسرے اجتہاد وقیاس کے وقت بھی انہوں نے قرآن وحدیث کے بجائے اپنے ائمہ کے اقوال وآراء کو اصل قرار دیا اور انہی کی روشنی میں تخریج واستنباط مسائل کرتے رہے اگر احادیث سے بے اعتنائی اور نصوص شریعت سے اعراض قابل تعریف ہے پھر تو واقعی آپ کو حق ہے کہ اپنے "اہل الرائے" کہلائے جانے پر فخر کریں لیکن کم از کم محدثین پر یہ اتہام نہ لگایا جائے کہ انہوں نے بھی آپ کو "اہل الرائے" کہہ کر آپ کی تعریف کی ہے۔

"اہل الرائے" کے لقب کو قابل تعریف ثابت کرنے کے لیے تبصرہ نگار نے ایک دلیل دی ہے کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو اجتہاد وتفقہ میں نمایاں حیثیت حاصل ہونے کی وجہ سے "ربیعۃ الرائے" کہا جاتا تھا لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ محدثین نے ان کو اس لقب سے ملقب کیے ناپسند نہیں کیا کیونکہ انہیں احادیث کا کافی ذخیرہ یاد تھا۔ اس لیے محدثین کی نظر میں یہ لقب ان کے لیے موزوں نہ تھا، جس طرح عبدالعزیز بن ابی سلمہ

کہتے ہیں کہ جب میں عراق گیا تو اہل عراق نے کہا "ربیعۃ الرائے کے متعلق کچھ عرض کیجئے" میں نے بڑے تعجب سے کہا "اے اہلِ عراق تم انہیں 'ربیعۃ الرائے' کہتے ہو۔ بخدا میں نے ان سے زیادہ سُنّت کا حافظ نہیں دیکھا"۔ (ایقاظ ھمم اولی الابصار، ص ۲۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث و آثار سے شغف رکھنے والوں کو "اہل الرائے" کہنا ان کی نظر میں سخت تعجب انگیز تھا اور یہ لقب صرف انہی حضرات کے لیے مخصوص موزوں تھا جنہیں احادیث سے تعلق کم ہوتا اور قیاس ورائے سے زیادہ کام لیتے۔

آخر میں تبصرہ نگار رکھتے ہیں:۔

حرفِ آخر

"میں ملک وملت کے بہی خواہ اکابر اہل حدیث کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ مؤلف کو تنبیہ کریں اور غیر مفید دل آزار مواد خارج کریں ورنہ ایسے غیر ذمہ دار لوگوں کی سرپرستی سے گریز کرتے رہیں تاکہ فردِ واحد کی غلطی جماعت کی طرف منسوب نہ ہو"۔ (تعلیم القرآن راولپنڈی، ۱۳ اپریل ۷۲ء)

آپ کا مشورہ تو مؤلفِ محترم کی خدمت میں پہنچ ہی گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جب آپ مؤلفِ کتاب کو غیر ذمہ دار گردانتے ہیں اور جماعت اہل حدیث کو ایسی غیر ذمّہ داریوں سے پاک سمجھتے ہیں تو پھر آپ نے جماعت کو اور مسلک کو کس بنا پر مطعون کیا ہے؟ اگر آپ کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ فردِ واحد کی غلطی ہے تو پھر آپ نے فردِ واحد کی غلطی کو بنیاد بنا کر جماعت اہلحدیث اور مسلک اہلحدیث پر [illegible] کی ہے [illegible] آپ کی [illegible] کو ہم آپ کی ساری تنقید کی از خود تردید سمجھتے ہیں [illegible] کا آئینہ دار قرار دیتے ہیں [illegible]

(معارف پریس میلارام روڈ لاہور)
محمد نواز کیلانی کاتب "الاعتصام" لاہور